وصال یار



زریش مصطفی

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

وصال یار



زریش مصطفیٰ



مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

وصال یار

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے،

سپر موڈز: صبا گل، تتلی، ٹیم لیڈر: ایم وائے صائم، مینجمنٹ: حسیب یا وقار سے رابطہ کریں، شکریہ







وہ چائے کا کپ سامنے رکھے اسے ایسے دیکھنے میں محو تھا جیسے ابھی اس میں سے کوئی نئ چیز ایجاد کر کے سب کو حیران کر دے گا۔۔۔

اپکی چائے ٹھنڈی ہو گئ۔۔۔

وہ نجانے اور کتنی دیر ایسے ہی بیٹھا رہتا اس کے تسلسل کو عریشہ کی آواز نے توڑا۔۔

وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

یہ کوئ پہلی بار نہیں ہوا تھا۔

یہ اکثر ہوتا تھا پچھلے دس سالوں سے۔۔۔۔

وہ آفس سے واپس آتا عریشہ اس کے لیے چائے بنا کے لاتی اور وہ اکثر کپ کو گھورتے ہوئے نجانے کن خیالوں میں کھو جاتا۔

نتیجہ۔چائے ٹھنڈی ہو جاتی اور پھر وہ عریشہ کو دیکھ کر شرمندہ ہوتا۔۔۔

اور وہ بنا ماتھے پہ بل ڈالے اس کے لیے اور چائے بنا لاتی دن بھر کے کام اور تھکن کے باوجود وہ اس شخص کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار رہتی تھی۔۔۔

وہ پھر سے تازہ چائے بنا کے لائی تھی۔

وہ آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے سر ٹکائے نیم دراز تھا۔

داود آپکی چائے۔

وہ کپ اس کے سامنے رکھتے ہوے آہستگی سے بولی۔

اور قریب رکھے دوسرے صوفے پہ بیٹھ گئ۔

تم تھکتی نہیں ہو وہ چائے کا کپ ہاتھ میں لیتے ہوے مسکرایا۔

جب آپ اس سے محبت کرتے ہوے نہیں تھکتے تو میں آپ سے محبت کرتے ہوے کیسے تھک سکتی ہوں۔

عریشہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

داود احمد کی مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی۔

بچے کہاں ہیں۔؟

وہ لا جواب ہوا تھا تبھی نظریں چراتے ہوئے بات بدل دی

اسکول سے آ کر سو گئے تھے ابھی جگا کر آئی ہوں۔

وہ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوے گویا ہوئی۔

میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔

مجھے دیر ہو جائے گی تم کھانے پہ میرا انتظار مت کرنا۔

وہ خالی کپ میز پہ رکھتے ہوئے بولا اور جانے کے لیے کھڑا ہوا۔

کتنی فکر کرتے ہیں ناں آپ میری۔

وہ داود کو دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

عریشہ کی مسکراہٹ میں عامیانہ پن بلکل نہیں تھا پر وہ مسکراہٹ بھی نہیں تھی اس میں بہت سا درد اور کرب چھپا تھا۔

جو شاید داود کو کبھی نظر ہی نہیں آئی

بلا شبہ عریشہ کی مسکان بہت پیاری تھی۔

پر ہائے یہ دل۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اب میں تمہاری فکر بھی ناں کروں۔

وہ نظریں چراتے ہوے بولا۔

جب آپکو پتہ ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے میں آپکا انتظار ضرور کروں گی۔

پھر آپ مجھے کیوں کہتے ہیں۔

وہ خفگی سے بولی۔

وہ جاتے ہوئے پلٹا ایک نظر آنکھوں میں آس پروئے اپنی بیوی کو دیکھا کچھ کہنے کے لیئے لب کھولے اور پھر خاموشی سے چلا گیا۔

عریشہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور پھر آنکھیں موند کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

انسان کو کبھی بھی جسمانی تھکان سے کچھ نہیں ہوتا پر تھکن جب روح میں اترتی ہے تو زندگی بس سانس لینے تک رہ جاتی ہے۔

ہاں! شاید وہ بھی جینا بھول گئی تھی۔

ایک انسو اس کے رخسار پہ پھسلا۔

جیسے اس نے ہتھیلی کی پشت سے مسل ڈالا

ویسے ہی جیسے داود احمد نے اس کی معصوم خواہشیں اور خواب۔

ماضی۔۔۔

گھر کے سبھی لوگ اسوقت سو رہے تھے یہ تو اسکے گھر کا معمول تھا کہ گرمیوں کی دوپہریں سو کر گزاری جاتیں۔

عریشہ کو جاہنے کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی۔

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہو چکی تھیں اور کراچی میں پڑنے والی شدید گرمی نے سب کو بے حال کر رکھا تھا۔

اسنے بیڈ پہ اپنے ساتھ خواب خرگوش کے مزے لوٹتی عائشہ کو دیکھا اور اسکی نیند پہ رشک کرتے ہوے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ جیسے ہی ٹھنڈے کمرے سے باہر آئی شدید تپش نے اسکا استقبال کیا تھا۔

اسے اپنا وجود آگ کی لپیٹ میں جاتا محسوس ہوا۔

مگر وہ اس بات کی پرواہ کیئے بغیر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

ایک خیال اسے اوپر جانے کا بھی آیا۔

مگر وہ سر جھٹکتے ہوے گرمی کی پرواہ کیئے بغیر وہیں سیڑھیوں پہ بیٹھ گئی۔

یہاں پر دھوپ کا نزول صرف صبح کے وقت ہوتا تھا۔

مین گیٹ گھر کے آنگن میں کھلتا تھا۔

گھر کے کشادہ صحن میں قطار میں رکھے گئے پودے جو صرف عریشہ کے اصرار پہ لائے گئے تھے اور وہ ہی انکی دیکھ بھال کرتی تھی۔

سامنے ایک بڑا سا برامندہ اور کچن آگے چار بڑے کمرے ایک اسکا اور عائشہ کا ایک عاشر بھائی کا اور ایک شاہدہ بیگم اور سبحان احمد کا جن میں سے ایک گیسٹ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔

صحن سے ہی سیڑھیاں اوپر والے پورشن تک جاتیں تھیں جہاں اسکے چچا کی فیملی رہائش پذیر تھی۔

اسنے موبائل پہ ٹائم دیکھا۔4:15

اسنے رمشا کو کال کرنے کا سوچا۔اور اسکا دیا ہوا نمبر ذہن میں دوہرایا۔

یہ موبائل اسے عاشر بھائی نے اسکی برتھ ڈے پہ اسکی ضد پہ گفٹ کیا تھا۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ اسکی بیسٹ فرینڈ کے پاس موبائل ہو اور وہ پیچھے رہ جائے۔

یہ نیا نمبر کچھ دن پہلے ہی رمشا نے لیا تھا پر وہ سیو کرنا بھول گئی تھی۔

اسنے نمبر ڈائل کیا۔

کال تیسری بیل پہ اٹھا لی گئی تھی۔

اسلام و علیکم عریشہ نے جلدی سے سالم کیا۔

واعیلکم اسلام دوسری طرف سے حیرت میں ڈوبی آواز ابھری۔

جو عریشہ کے لیئے بلکل اجنبی تھی۔

ہو سکتا ہے رمشا کا بھائی ہو انے دل میں سوچا پر وہ تو امیریکہ میں ہوتا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ واپس آ گیا ہو۔

رمشا سے بات کروا دیں وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

کون رمشا اب حیران ہونے کی باری عریشہ کی تھی۔

کیا یہ وہ نمبر نہیں ہے وہ نمبر دہراتے ہوے بولی۔

جی یہ بلکل یہ ہی نمبر ہے۔

پر اسکے اینڈ میں 9 آتا ہے جبکہ اپنے جو نمبر بتایا اسکے اینڈ میں 6 ہے۔

وہ شائستگی سے مسکراتے ہوے بولا۔

سوری مینے آپکو ڈسٹرب کر دیا۔بس غلطی سے ڈائل ہو گیا وہ اب اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔

کوئی بات نہیں محترمہ ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔

ویسے آپ سے ایک بات کہوں۔؟

وہ شاید اب ریلکس ہو کر اس سے بات کر رہا تھا۔

جی کہیں وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی۔

آپ برا تو نہیں مانیں گی ناں۔

وہ اب اجازت لے رہا تھا۔

آپ بولیں وہ ٹھنڈا سانس بھر کہ رہ گئی۔

آپ کی آواز میں جادو ہے سننے والے کو اپنے حصار میں جکڑ لیتی ہے۔

دیکھیں مسٹر بولا نہ کہ غلطی سے ڈائل ہو گیا نمبر زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کرو آئی سمجھ اور دوبارہ اس نمبر پہ کال مت کرنا اسنے آگ بھگولا ہوتے ہوئے کال کٹ کر دی۔

بدتمیز ایڈیٹ ضرورت کیا تھی مجھے اسکی بات سننے کی وہ دانت پیستے ہوئے جتنے القابات سے اسے نواز سکتی تھی نواز رہی تھی۔

سین 2

ماضی۔۔۔

بدتمیز ایڈیٹ فلرٹی ضرورت کیا تھی اسکی بات سننے کی۔

مجھے پہلے شک تھا مگر اب یقین ہو گیا ہے کہ تم مکمل پاگل ہو چکی ہو۔

وہ اکیلی بیٹھی خود کو کوس رہی تھی۔جب سمیر آ کر اس کے برابر بیٹھتے ہوے بولا۔

وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

اور سناو ڈیئر کزن کیسی گزر رہی ہیں چھٹیاں۔

سمیر نے اسکی چوٹی کھینچتے ہوئے پوچھا۔

اب دوبارہ تم نے میرے بالوں کو ہاتھ لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔

عرشی برہم ہوئی۔

وہ تو ویسے بھی کوئی نہیں ہے۔

سمیر ہنسا

ہاں تو ٹھیک ہے ایک اور بار ٹرائے کر کے دیکھ لینا۔

پھر تمہیں مزا نہ چکھایا تو میرا نام بھی عریشہ نہیں۔

وہ دانت پیستے ہوے بولی۔

ہمیشہ یہ ہی کہتی ہو کرتی ورتی کچھ ہو نہیں۔

وہ اب ہنستے ہوئے اسے چڑا رہا تھا۔

اس بار دھمکی نہیں ہے دیکھنا چھوڑوں گی نہیں۔

وہ انگلی اٹھائے اسے وارن کر رہی تھی۔

اچھا کیا کر لو گی تم زرا مجھے بھی تو پتہ چلے۔

وہ اسکی نازک کلائی اپنے ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے بولا۔

میرا ہاتھ چھوڑو مجھے درد ہو رہا ہے۔

وہ چلائی۔

نہیں پہلے بتاو کیا کرو گی تم۔

وہاں پرواہ کسے تھی۔

درد کی شدت سے عرشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

میں چچا کو بتا دوں گی کے سامنے والی ردا سے تمہارا چکر چل رہا ہے۔

وہ روہنسے لہجے میں بولی۔

سمیر کے ہاتھ کی گرفت فورا ڈھیلی پڑ گئی۔

تم کزن ہو کہ دشمن۔

سمیر نے اسے گھورا۔

اور تم انسان ہو کہ جانور۔

وہ اپنی کلائی سہلاتے ہوے واپس بیٹھ گئی۔

ویسے تمہیں کس نے بتایا۔

وہ بھی اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

روز میرے پھول غائب ہو رہے تھے جب انکوائری کی تو پتہ چل گیا کہ میرے پھول یہاں سے وہاں تک کون لے کر جاتا ہے۔

وہ کندھے اچکاتے ہوے بولی۔

سمیر سر کھجا کر رہ گیا۔

اچھا پھر میں چلتا ہوں وہ جانے کے لیے کھڑا ہوا۔

ہاں محبوبہ سے ملنے کا وقت ہوا چاہتا ہے عرشی شرارت سے بولی۔

سمیر عمر میں عریشہ سے ایک سال ہی بڑا تھا انکی نوک جھونک معمول کی بات تھی۔

ہاں ظاہر ہے وہ انتظار کر رہی ہو گی اور کسی کو ویٹ کروانا بیڈ مینرز ہوتے ہیں۔

وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

شرمندہ ہونا تو تم نے سیکھا ہی نہیں ہے۔

عریشہ ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گئی۔

اچھا پھر پرانے پھولوں کے لیئے سوری۔

وہ جاتے ہوئے پلٹا۔

تبھی عرشی کی نظر اسکے ہاتھ میں پکڑے تازہ پھولوں پہ پڑی۔

وہ تیزی سے اسکی جانب لپکی۔

نئے پھولوں کے لیئے واپسی پہ سوری کروں گا وہ کہتے ہوئے مین گیٹ عبور کر گیا۔

عریشہ جل کے رہ گئی۔

شور کیوں کر رہے تھے تم دونوں۔

عائشہ کھلے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے اسکے قریب آئی اسکی آنکھ بھی ان دونوں کہ شور سے کھلی تھی۔

تم رو کیوں رہی ہو عائشہ نے اسے کندے سے پکڑ کر اسکا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

وہ پھر سے میرے پھول توڑ کر لے گیا۔

وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

کوئی بات نہیں چندا اور آ جائیں گے۔

وہ اسے دلاسا دیتے ہوئے مسکرائی۔

ہمیشہ مجھے ہی سمجھانا آپ اس لارڈ صاحب کو کچھ مت کہنا وہ غصے سے پاوں پٹختے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

دونوں پاگل ہیں۔

عائشہ بھی ہنستے ہوئے اپنے لئے چائے بنانے کچن کی طرف چل دی۔

ماضی۔۔۔۔

سبحان احمد اور شیایان احمد دو ہی بھائی تھے۔سبحان احمد بڑے جبکہ شیان احمد چھوٹے تھے۔اور اپنے ابا کی خواہش پر ایک ساتھ ہی اپنا بزنس شروع کیا شادی بھی ایک ہی گھر میں ہوئی شگفتہ اور شاہدہ بہنیں تھں مل کہ گھر کو جوڑے رکھا اور گھر بھی ایک جگہ بنایا لوگ دونوں بھائیوں کے پیار کی مثال دیتے تھے۔

سمیر اور عریشہ کا رشہ بچپن میں ہی ان کے دادا سعید احمد نے طے کر دیا تھا وہ شاید دونوں بھائیوں کو ہمیشہ کے لیئے جوڑنا چاہتے تھے۔

سعید احمد کے انتقال کے بعد اس بات کا ذکر کبھی نہ بڑوں میں ہوا۔

اور نہ ہی اس بات سے بچوں کو کبھی آگاہ کیا گیا۔

عریشہ کی آنکھ موبائل کی وبریشن کی وجہ سے کھلی تھی۔

وہ رات کو بھی ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔

یہ صبح صبح کس کو میری یاد آ گئی اسنے بڑبڑاتے ہوئے تکیے کے نیچے سے موبائل نکالا۔

اور بنا دیکھے کال رسیو کر لی۔

ہیلو۔نیند میں ڈوبی آواز ابھری۔

ہیلو۔عریشہ نے پھر سے اپنے الفاظ دوہرائے۔

دسری طرف ہنوز خاموشی برقرار تھی۔

بات نہیں کرنی تھی تو کال کیوں کی۔

دوسری طرف سے دبی دبی ہنسی کی آواز سنائی دی۔

دوسروں کو ڈسٹرب کرتے ہوئے شرم نہیں آتی آپ کو

عریشہ کو اب اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کون ہو سکتا ہے کل والہ واقعہ یاد تھا ابھی اسے۔

اسنے غصے سے کال کٹ کر دی حد ہو گئی ہے نیند تو خراب کی ہی موڈ بھی خراب کر دیا ایڈیٹ۔

عرشی نے پھر سے سونے کی کوشش کی پر اب کسے نیند آنی تھی۔

اسنے ٹائم دیکھا 8 بج کر 10 منٹ ہو رہے تھے۔

چھوٹیوں میں وہ اتنی جلدی کبھی نہیں اٹھتی تھی۔

اسنے کھلے بالوں کو لپیٹا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

باہر شاہدہ بیگم تخت پہ بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔سبحان احمد کام پہ جا چکے تھے عاشر ابھی تک سو رہا تھا۔

عائشہ کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی۔

وہ چلتے ہوئے شاہدہ بیگم کے پاس جا بیٹھی۔

انھوں نے اپنی تسبیح مکمل کرتے ہوئے اسے دم کیا۔

اتنی صبح اٹھ گئی آج تم۔

بس آنکھ کھل گئی تو سوچا اٹھ جاوں سو کہ فائدہ۔

وہ انکی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئی۔

طبعیت تو ٹھک ہے نہ عرشی تمہاری وہ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے فکر مندی سے گویا ہوئیں۔

میں بلکل ٹھیک ہوں اماں آپ فکر مند مت ہوں وہ انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے مسکرائی۔

عاشی بیٹا عرشی کے لیئے بھی ناشتہ لیتی آنا۔

انھوں نے بلند آواز میں عائشہ کو کہا۔

اور میرے لیئے بھی۔

دسری آواز سمیر کی تھی۔

چلو ہٹو بی بی کسی اور کو بھی بیٹھنے دو۔

سمیر نے خالہ امی کہ پاس بٹھتے ہوئے عرشی کے بازو پر ہلکی سی چٹکی کاٹی۔

عرشی جو آنکھیں موندے نیم دراز تھی۔

اس آچانک آفاد پہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔

یہ کیا حرکت تھی۔

وہ اپنا بازو سہلاتے ہوئے غصے سے بولی۔

کیوں میں نے کیا کیا ہے۔

وہ معصوم بنا اب اس سے سوال کر رہا تھا۔

ابھی جو چٹکی کاٹی۔وہ کیا تھا۔

اور تمہیں اپنے گھر سکون نہیں ملتا کیا جب دیکھو یہاں پائے جاتے ہو۔

وہ منہ بناتے ہوئے بولی اور اٹھ کر سامنے رکھی کرسی پہ براجمان ہو گئی۔

دیکھ لیں خالہ جان یہ صاف لفظوں میں مجھے کہہ رہی ہے کہ اس گھر پہ میرا کوئی حق نہیں ہے اور میں نہ آیا کروں یہاں۔

وہ بلا کا مظلوم بنا شاہدہ بیگم سے عرشی کی شکایت کر رہا تھا۔

میں نے یہ کب کہا۔

عرشی نے حیرت سے سمیر کو دیکھتے ہوئے دوہائی دی۔

پر شاہدہ بیگم کو سمیر کے معاملے میں کم ہی کسی کی دوہائی سنائی دیتی تھی۔

عرشی کب بڑی ہو گی تم 18 کی ہو چکی ہو عقل کے لیئے اور کتنا بڑا ہونا ہے تم نے۔کچھ تو سوچ کہ بولا کرو۔

وہ اسے ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

عرشی نے منہ چڑاتے سمیر کو دیکھا اور صرف دانت پیس کہ رہ گئی۔

وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ایسا کچھ ہی کرتا تھا۔

ویسے عائشہ آپی میں سوچ رہی تھی کہ سمیر اگر عورت ہوتا تو سہی محلے کی کوئی لڑاکا اور پھپھے کٹنی ٹائپ عورت ہوتا اور پورا محلہ اس سے پناہ مانگتا۔

عرشی نے اندر داخل ہوتی عائشہ کو بھی اپنی بات میں شامل کیا۔

عاشی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

عاشی آپی آپ بھی اس کے ساتھ مل گئیں۔

سمیر ناراض ہوتے ہوئے بولا۔

غصہ مت کرو سمیر میں کسی کے ساتھ نہیں ہوں تم دونوں اپنے معاملات خود ہی حل کرو۔

پر کہہ عرشی بلکل ٹھیک رہی ہے

وہ اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولی

اچھا یہ لو ناشتہ کر لو انرجی آ جائے پھر لڑ لینا۔

قسم سے عائشہ آپی آپ کے پراٹھے مجھے یہاں کھینچ لاتے ہیں۔

واہ کیا ذائقہ ہے وہ نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے جھوم اٹھا۔

آرام سے کھاو تمہیں دیکھ کہ لگ رہا ہے کہ تمہارے گھر والے تمہیں کھانا نہیں دیتے۔

عرشی اپنے لئے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔

ہاں تو میں کیا کہ رہا تھا کہ میں پراٹھوں اور آپ سب کی محبت کی وجہ سے یہاں آتا ہوں۔

ورنہ تو آپ کے گھر میں کچھ ایسے لوگ ہیں جن کی میں شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔

وہ بظاہر عائشہ سے بات کر رہا تھا۔

مگر عرشی اسکا اشارہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔

تو ٹھیک ہے مت آیا کرو تمہیں پراٹھے ہم اوپر بھجوا دیا کریں گے۔اور گھر کے باقی فرد بھی تمہیں مل۔لیا کریں گے اوپر جا کر۔

وہ بھی عریشی تھی منہ چڑاتے ہوئے بولی۔

تو ٹھیک ہے ناں جب میں آیا کرو تو تم کچھ دیر کا اعتکاف کر لیا کرو۔

وہ اب اسے مزید تپا رہا تھا۔

عاشی آپی کافی دنوں سے ردا نے چکر نہیں لگایا میں سوچ رہ تھی کہ میں ہی ہو آوں فری بھی ہوں

عرشی نے بات کرتے ہوئے کن آکھیوں سے سمیر کو دیکھا۔

وہ ہنوز پراٹھوں میں غرق تھا۔

عاشی کو تو اس بات میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی سو اثبات میں سر ہلا دیا۔

آو میں اسی طرف جا رہا ہوں تمہیں چھوڑتا ہوا جاوں گا۔

وہ ڈھیٹ ابن ڈھیٹ تھا مجال ہے کوئی اثر ہو۔

تم کہہ رہی تھی کہ تمہیں ردا کہ گھر جانا ہے۔

ریڈی ہو تو آو میں چھوڑ آوں تمہیں۔

عرشی آئنے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی۔

جب تیز تیز بولتے ہوئے سمیر اسکے کمرے میں داخل ہوا۔

تمہیں بڑی فکر ہو رہی ہے آج اگر میں ابھی کہہ دوں کہ مجھے رمشا کہ گھر جانا ہے تو تمہیں ڈھیر سارے کام یاد آ جائیں گے۔

وہ بالوں کی چوٹی بناتے ہوئے بولی۔

رمشا تو لاہور گئی ہوئی ہے ناں۔

سمیر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

ہاں تو واپس بھی تو آ ہی جانا ہے اسنے۔

وہ اب بیڈ شیٹ سیٹ کر رہی تھی۔

لو جی بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔

میں تو بس آیسے ہی۔

وہ منہ بناتے ہوئے بولا اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔

ہاں بھلائی ہے اس میں مگر صرف تمہاری سمیر شرم کرو اسکے گھر والے تم پہ اعتبار کرتے ہیں۔

تمہیں گھر کے اندر جانے کی اجازت ہے۔

ان لوگوں کہ اعتبار کو تو مت توڑو۔

انکے ساتھ ایسا کچھ مت کرنا کہ وہ لوگ پھر کسی پہ اعتبار نہ کر سکیں۔

رہی بات ردا کی اسکو تو میں بعد میں ٹھیک کروں گئی۔

اسے پورے شہر میں میرا ہی کزن ملا تھا۔

یہ جو آئے روز حلوہ بریانی بن کہ آ رہی تھی پیچھے معامعلہ کیا تھا وہ اب سمجھ میں آ رہا ہے مجھے۔

وہ بک ریک کی کتابوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے۔

سمیر کی ترتیب کو بھی سیدھا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تمہیں لیکچرار بننا چاہئے وہ اب اسے بڑے دانش مندانہ انداز میں مفت مشورے سے نواز رہا تھا۔

وہ کیوں ؟ عرشی ایک ہاتھ کمر پہ جماتے ہوئے پیچھے مڑی۔

لیکچر اچھا دیتی ہو امپریسو۔ تھوڑی سی محنت کی ضروت ہے بہت نام کماو گی۔

وہ پاس پڑا میگزین اٹھاتے ہوئے بولا۔

عرشی کا دل چاہا اپنا سر دیوار میں مار لے۔

میں ہی پاگل ہوں جو تمہیں سمجھانے بیٹھ گی پہلے میری کسی بات کا تم پہ اثر ہوا ہے جو اب ہو گا۔

کیا فائدہ بھینس کے آگے بین بجانے کا۔

وہ غصے سے بولی۔

شکر ہے تم نے تسلیم تو کیا کہ تم پاگل ہو اور ہاں مثال تو ڈھنگ کی دو کوئی۔

میرا جینڈر ہی مشکوک کر دیا۔

سمیر نے میگزین کی ورک گردانی کرتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا۔

یعنی تمہیں بھینسہ بھی کہہ لوں تو تمہیں کوئی عتراز نہیں۔

وہ اسے کھرتے ہوئے بولی۔

اتنے ہینڈسم کزن کو ایسا بولو گی۔تو لوگ تمہیں ہی پاگل کہیں گے۔

وہ میگزین پہ نظریں جمائے بولا

اٹھو نکلو یہاں سے بہت ہو گیا۔

عرشی سمیر کے ہاتھ سے میگزین چھینتے ہوئے بولی۔

تم مجھے اپنے کمرے سے باہر نکال رہی ہو۔

وہ آنکھوں میں حیرت لیئے سراپا سوال بنا ہوا تھا۔

میں بہت صاف لفظوں میں تمہیں یہاں سے نکلنے کے لیئے کہہ رہی ہوں۔

مجھ میں اتنا اسٹیمنا نہیں ہے کہ میں تمہیں برداشت کر سکوں صبح سے دماغ خراب کر کہ رکھا ہے۔

عرشی اب مکمل طور پہ زچ ہو چکی تھی۔

پھر تو تمہیں میری ہمت کی داد دینی پڑے گی اور میرے اسٹیمنا کو 21 ایکیس توپوں کی سلامی پیش کرنی چاہئے کہ میں تمہیں برداشت کرتا ہوں۔

وہ کھڑے ہوتے ہوئے آنکھوں میں شرارت لئے بول رہا تھا۔

عرشی کے سر پہ لگی تلوں پہ بجھی۔

میں تمہیں دعوت نہیں دیتی کہ آ کر میرے سر پہ سوار ہو جاو خود آ کہ میرا سر کھاتے ہو تم۔

وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

نہیں میں بھوسا کھانے میں بلکل انٹرسٹ نہیں رکھتا۔

تمہیں لگتا ہے کہ میرے دماغ میں بھوسا بھرا ہے۔

وہ اب جارہانہ تیور لیے اسے گھور رہی تھی۔

دیکھا میرے ساتھ رہ رہ کر تم کتنی سمجھ دار ہو گئی ہو۔

سمیر اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

تمہیں کیا ملتا ہے مجھے تنگ کر کے۔

عرشی اب خود کو کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اسی لیئے دھیمے لہجے میں بولی۔

سچ بتاوں وہ دو قدم اس کے قریب آیا۔

وہ ہمہ تن گوش تھی۔

مجھے تمہیں تپا کر عجیب سا روحانی سکون ملتا ہے۔

وہ کہتے کے ساتھ ہی دروازے کی جانب بڑھا۔

جوابی کروائی میں عرشی نے پاس پڑا کشن اسے دے مارا جیسے سمیر نے بڑی مہارت سے کیچ کر لیا۔

ڈئیر کزن ابھی پریکٹس کی بہت ضرورت ہے تمہیں۔

وہ کشن واپس اچھالتے ہوئے ہنسا۔

عرشی ضبط سے مٹھیاں بھچ کر رہ گئی۔

گرمیاں اور پھر چھٹیاں لے کہ ایک ہی خالہ تھی وہ بھی اسی گھر میں بیاہی تھی۔

اور ایک ماموں لاہور میں تھے سال میں کبھی ہوتا کہ یہ لوگ ایک بار چلے جاتے ۔

عرشی اگر کبھی اماں سے کہہ دیتی کہ لاہور چلیں تو اماں گرمی کا بہانا بنا کہ اسے ٹال دیتیں۔

اور کہتی اتنی گرمی میں جا کر وہ اپنی بھاوج کو تنگ نہیں کرنا چاہتیں۔

اور اب تو وہ عائشہ اور عاشر کا ہونے والا سسرال بھی تھا۔

اماں کی پابندیاں اب اور بھی سخت ہو گئیں تھیں۔

عاشی آپی ہم کیا گھر میں رہ رہ کر بور ہونے کے لیئے پیدا ہوئے ہیں۔

عائشہ کسی ڈائجسٹ کا مطالعہ کر رہی تھی جب منہ پھلائے۔

عرشی کمرے میں داخل ہوئی۔۔

اب کیا ہوا ہے عاشی نے ڈائجسٹ سے نظریں اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

میں کہ رہی تھی اماں سے کہ مجھے ماموں کہ گھر بھیج دیں۔

تنگ آ گئی ہوں میں اس گھر اور سمیر سے کچھ دنوں کے لیئے کہیں چلی جاوں تب اس کو سمجھ آئے گی میری اہمیت

رمشا بھی نہیں ہے ورنہ اس سے ملنے چلی جاتی۔

وہ تو اپنی نانو کے گھر جا کہ سب کو بھول جاتی ہے۔

عرشی بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی۔

اچھا تو تم پہلے فیصلہ کر لو کہ تم گھر سے تنگ ہو یا سمیر سے۔

کیا مطلب عرشی نے ناسمجھی کے عالم میں عاشی کو دیکھا۔

مطلب اگر گھر سے تنگ ہو تو میں اماں سے بات کرتی ہوں وہ تمہیں لاہور بھیج دیں۔

اور سمیر سے تنگ ہو تو اسکا حل تو میرے پاس بھی نہیں ہے کیونکہ گھر میں وہ ہی فارغ ہے تمہیں اسی کے ساتھ بھیجا جائے گا۔

عاشی اسکی نظروں کا مفہوم سمجھتے ہوئے بولی۔

توبہ کرو عاشی آپی اس کے ساتھ تو مجھے کہیں بھی نہیں جانا۔

وہ منہ بناتے ہوئے عائشہ کے برابر بیٹھی۔

عرشی پھر میرا سر کیوں کھا رہی ہو یہ بتاو اماں نے کیا کہا۔

عائشہ ڈائجسٹ سائیڈ پہ رکھتے ہوئے اسکی طرف مڑی۔

اماں نے ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ دنوں میں ماموں لوگ آ رہے ہیں ایسے میں میرا جانا مناسب نہیں۔

وہ گرنے کہ سے انداز میں بیڈ پہ لیٹی۔

اے لڑکی کو تہذیب سیکھو یہ کونسا انداز ہے لیٹنے کا۔

عائشہ نے اسے ڈپٹا۔

تم اور اماں بس میرے پیچھے ہی پڑی رہتی ہو۔

پھر بھی تم پہ کوئی اثر نہیں ہوتا۔

عائشہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

ویسے کون کون آ رہا ہے۔

عائشہ نے اسکے برابر میں لیٹتے ہوئے پوچھا۔

شاہزیب بھائی تو بلکل نہیں آ رہے آپ بے فکر رہیں۔

کوئی اور وقت ہوتا تو عرشی اس بات پہ عائشہ کو خوب تنگ کرتی۔

مگر اس وقت اسکا خود کا موڈ خراب تھا۔

میں انکا پوچھ بھی نہیں رہی اور تم تو ہر وقت جلتے توئے پہ بیٹھی ہوتی ہو۔

غصہ کم کیا کرو۔

عرشی مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں آئیں گے رونق ہو جائے گی تمہاری بوریت بھی ختم ہو جائے گئی۔

عاشی اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

ہاں آپکو تو رحمت ہی لگیں گے آپکا سسرال جو ہے۔

اب کہ عرشی کا لہجہ نارمل تھا۔

اثر نہیں ہونا نہ تمہیں سو جاو اور مجھے بھی سونے دو بہت تھک گئی ہوں۔

عاشی نے اسے کہتے ہوئے آنکھوں پہ بازو رکھا۔

عرشی منہ پہ کشن رکھے سونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

جب میسج ٹیون بجی۔

اسنے ہاتھ بڑھا کر موبائل چیک کیا۔

)میں جانتا ہوں آپ مجھ سے بات کرنا نہیں چاہتیں(

مگر پھر بھی مینے آپکو میسج کیا معذرت چاہتا ہوں۔

عرشی نے ساتھ لیٹی عاشی کو ایک نظر دیکھا۔

جو اب گہری نیند میں تھی۔

عجیب میسج تھا یا یہ آدمی وہ سمجھ نہیں پائی۔

جب آپ جانتے ہیں کے میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔

تو کیوں میسج کر کے تنگ کر رہے ہیں میں پہلے بھی آپ کو بتا چکی ہوں وہ محض ایک غلطی تھی اور کچھ نہیں۔

اسنے جواب ٹائپ کیا اور سینڈ کر دیا۔

کچھ غلطیاں سچ میں بہت حسین ہوتی ہیں۔

کچھ پل کے بعد جواب حاضر تھا۔۔

عرشی جل کہ رہ گئی۔

یہ غلطی آپکے کے لیے حسین ہو سکتی ہے۔

میرے لیے ایک بھیانک تجربے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

عرشی نے اگلا میسج سینڈ کیا۔

میں کل آج تک اور صبح سے اب تک آپ کی آواز کے سحر میں گم ہوں۔

میں فلرٹ نہیں ہوں۔

یقین مانیں میری بات کا میں سچ کہہ رہا ہوں۔

اسنے کوفت سے میسج پڑھتے ہوے جواب لکھا۔۔

مجھے نہیں یقین کرنا آپکی کسی بھی بات کا مہربانی کر کے مجھے تنگ نہ کریں۔

وہ اب زچ ہو چکی تھی یہ موبائل اسکا ضرور تھا پر اسے کبھی کبھی عائشہ بھی استعمال کرتی تھی۔

میں تو بس آپ کی تعریف کر رہا ہوں آپ شاید پہلی لڑکی ہیں جو اپنی تعریف پہ بھی برہم ہو رہی ہیں۔

میں ایسی ہی ہوں مگر اپکو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے اپ اپنے کام سے کام رکھیں۔

وہ موبائل کہ بٹن ایسے پش کر رہی تھی جیسے یہ اس اجنبی کا گلا ہو۔

میں اپنا بہت ضروی کام ہی کر رہا ہوں محترمہ۔

دوسر طرف مکمل فرصت تھی۔

دوسروں کو تنگ کرنا کب سے ضروری کاموں میں میں شمار ہونے لگا۔

کاش مجھے بھی نیند آجاتی۔

کم سے کم اس فضول آدمی کی بکواس تو نہ سننی پڑتی۔

عرشی نے عاشی کو رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

میرے لیئے تو اس وقت آپ سے بات کرنا ہی سب سے زیادہ ضروری ہے آپ کیا جانو اس بات کے کرنے کہ لیئے کتنے ضروری کام چھوڑے بیٹھا ہوں پر آپ سمجھو تب ناں۔

اگلا میسج حاضر تھا۔

مجھے کوئی ضروت نہیں ہے سمجھنے کی میں بھی آپکو یہ ہی سمجھا رہی ہوں کہ اپنا کام۔کریں مجھے ڈسٹرب نہ کریں۔

شکریہ۔

اب یہ سب عرشی کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا۔

اور وہ بے حد جذباتی اور جلد باز واقع ہوئی تھی۔

غصہ مت کریں میں چلا جاتا ہوں اگر آپ کو میرے کام کی اتنی فکر ہو رہی ہے تو۔

عجیب ڈھیٹ انسان ہے۔

یا اللہ مجھے تنگ کرنے کے لیئے ایک سمیر ہی کافی ہے۔

یہ نمونہ کہاں سے میرے پیچھے لگا دیا۔

اسنے بڑبڑاتے ہوئے اسکا میسج پڑھا۔

دفع ہو میں اب اسے ریپلائے ہی نہیں کروں گئ۔

اگر ایک سوال کا جواب دے دیں آپ تو میں چلا جاوں گا۔

یہ میسج عرشی کہ کام کا تھا۔

اگر سچ میں چلے جائیں گے تو پوچھ لیں اگر بات بڑھانے کا موڈ ہے تو سوری اس بار ریپلائی نہیں آئے گا۔

عرشی نے سوچتے ہوئے اسے اگلا میسج سینڈ کیا۔

اوکے میم۔

آپکا نام جان سکتا ہوں پلیز۔۔۔

آواز تو بہت خوب صورت ہے سوچا نام کتنا پیارا ہو گا۔

اگر نام بتا دوں تو آپ میسج نہیں کریں گے۔

جی بکل نہیں کروں گا۔

ماہ گل۔

عرشی نے نام سینڈ کرتے ہی موبائل کو سائیڈ پہ رکھا اور کشن واپس منہ پہ رکھتے ہوئے واپس سوبے کی کوشش کرنے۔

عرشی کی بچی اٹھ جاو۔

سمیر اسکے چہرے سے کشن ہٹاتے ہوئے بولا۔

کیا ہے سونے دو ناں۔

عرشی زرا سا کسمسائی اور کروٹ بدلتے ہوئے پھر سے سو گئی۔

جب دیکھو پڑی سوتی رہتی ہو کوئی اور کام بھی کر لیا کرو اب اٹھ جاو۔

عرشی کو سوئے ابھی دس بیس منٹ ہی ہوئے ہوں گے جب وہ اسکے سر پہ کھڑا اسے جگا رہا تھا۔

میں نہیں اٹھ رہی تم جاو یہاں سے عرشی نے بولتے ہوئے کشن واپس منہ پہ رکھا۔

عرشی یہ میری لاسٹ وارننگ ہے اٹھ جاو۔

سمیر نے اسکا بازو ہلاتے ہوئے دھمکی دی۔

جو کرنا ہے کر لو میں نہیں اٹھ رہی۔

وہ بھی عرشی تھی ایسی باتوں سے بھلا کہاں ڈرتی تھی۔

اوکے سو مر جاو۔

وہ غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا۔

کچھ ہی دیر بعد عرشی کو اپنے پیر پہ کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی۔

اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں کھول کہ اس چیز کا دیدار کرتی۔

اسکے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔

چھپکلی۔۔۔۔

آواز سمیر کی تھی۔

عرشی نے پٹ سے آنکھیں کھول کر اپنے پاوں کے پاس پڑی ایک موٹی تازی چھپکلی کا دیدار کیا۔

اور پھر ہوش میں آتے ہی عرشی نے بیڈ سے نیچے چھلانگ لگائی۔

اور اب اسکی چیخوں سے پورا گھر فیض یاب ہو رہا تھا۔

عرشی کی چیخیں سمیر کے قہقہے۔

معاملا سمجھ میں آتے ہی عرشی نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کش سمیر کو دے مارا۔

وہ ہنستے ہوئے بیڈ پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔

یار یہ لڑکیاں بھی نہ چھپکلی کے علاوہ اور کسی کے قابو میں نہیں آتیں۔

سمیر آپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے بولا۔

عرشی نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ چہرے پہ پھیرے۔

گویا یقین کر رہی ہو کہ زندہ ہی ہوں نہ۔

اللہ عرشی حالت دیکھو آپنی پلاسٹک کی ہے وہ بیڈ سے چھپکلی اٹھاتے ہوئے اسکے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔

اپنی خیریت چاہتے ہو نہ دفع ہو جاو یہاں سے۔

وہ غصے سے بولتے ہوئے نیچے کارپٹ پہ بیٹھ گئی۔

دفع ہونے کے لیئے تھوڑی آیا ہوں۔

کام تھا تم سے وہ چھپکلی سے کھیلتے ہوئے بولا۔

پہلے تو پھر بھی کوئی چانس تھا اب تو بلکل کوئی کام نہیں کروں گی۔

عرشی نفی میں سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے بولی۔

دیکھو عرشی کام تو تمہیں لازمی کرنا پڑے گا۔

ورنہ۔۔۔۔۔۔۔

سمیر نے ایک نظر چھپکلی اور دسری نظر عرشی کو دیکھا۔

ورنہ کیا۔

عرشی نے سمیر کو گھورا۔

ورنہ تم مجھے جانتی ہی کہاں ہو ابھی مائی ڈیئر کزن

وہ آنکھوں میں شرارت لیئے ہوئے ہنسا۔

مجھے تمہیں جاننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

لحاظہ

تم اپنی گرل فرینڈ سمیت یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہو۔

عرشی سوچ لو۔ورنہ

وہ بیڈ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

مجھے نہیں سوچنا تم بتا دو ورنہ کیا۔

ورنہ اگلی بار چھپکلی اصلی ہو گی۔

سمیر چھپکلی کو ہوا میں اچھالتے ہوئے بولا۔

اور تم بھی یاد رکھنا وہ دن تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔

عرشی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

وہ جاتے ہوئے مڑا کچھ دیر عرشی کو دیکھا اور پھر واپس آ کر بیڈ کے سامنے رکھے دیوان پر بیٹھ گیا۔

عرشی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

تمہیں کیا ہوا۔

وہ معصوم بنا پوچھ رہا تھا۔

تمہارے جتنا ڈھیٹ بندہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔

تم اچھے خاصے جا رہے تھے واپس کیوں آ گئے۔

عرشی لفظوں کو چبا چبا کر ادا کر رہی تھی۔

جیسے دانتوں تلے سمیر کی گردن ہو۔

تم نے مجھ سے پوچھا ہی نہیں کہ میں کس کام آیا تھا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جماتے ہوئے بولا۔

عرشی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

کچھ رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں۔

جن میں محبت نفرت غصہ لڑائی ہمدردی دشمنی سبھی کے رنگ ہوتے ہیں۔

سمیر اور عریشہ کا تعلق بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

ایک ساتھ ہوتے تو ایک دوسرے سے عاجز دیکھائی دیتے۔

اور علیحدہ ہوتے تو دونوں ہی بے چین دیکھائی دیتے۔

وہ لاکھ ایک دوسرے سے لڑتے مگر وہ کبھی بھی بہت دیر تک ناراض نہیں رہتے تھے۔

عرشی ہمیشہ اسکی حرکتوں سے تنگ آ کر غصہ کرتی۔

اور جب اسکی کسی چیز کو نقصان پہنچاتی۔

تو سمیر کبھی بھی غصہ نہیں کرتا تھا۔

وہ بدلہ لیتا تھا۔

اب بھی اتنی بحث و تکرار کے باوجود بھی وہ جانتی تھی کہ اینڈ میں اسے سمیر کی بات ماننا پڑے گی۔

اور وہ بنا یہ بتائے یہاں سے نہیں جائے گا کہ وہ کس کام آیا تھا۔

جلدی اٹھو چینج کر کے آو۔

سمیر صوفے سے اٹھتے ہوئے وارڈروب کی طرف بڑھا۔

عرشی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

پر کیوں۔

وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔

تمہاری کیوں کا جواب میں بعد میں دوں گا۔

پہلے یہ پہن کہ آو۔

وہ پنک اور سکن کلر کے امتزاج کا نہایت نفیس لانن کا سوٹ اسکے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔

میں یہ کیوں پہنوں پہلے بتاو کہ جانا کہاں ہے۔

عرشی ابھی تک حیران تھی کہ اسے ہوا کیا ہے۔

پہلے شاور لے کے آو۔

میں یہیں ہوں جلدی آو پھر بتاتا ہوں دس منٹ ہیں تمہارے پاس۔

سمیر نے بولتے ہوئے عرشی کو کندھے سے پکڑتے ہوئے واش روم کی طرف دھکیلا۔

وہ بھی چپ چاپ چلی گئی جانتی تھی کہ سمیر فلحال اسے کچھ نہیں بتائے گا۔

وہ شاور لے کے نکلی تو شام کے 6 بج رہے تھے۔

سمیر ہنوز صوفے پہ ٹانگیں اوپر کئے نیم دراز موبائل پہ بزی تھا۔

تم ابھی تک یہاں ہو۔

وہ گیلے بال تولیئے سے صاف کرتے ہوئے ساتھ ساتھ اپنی چیزیں بھی سمیٹ رہی تھی۔

ہاں بس 5 منٹ مزید بچے ہیں تمہارے پاس۔

وہ بنا دیکھے ہی بولا۔

میں ریڈی ہوں بتاو کہاں جانا ہے۔

وہ اب بال برش کر رہی تھی۔

اتنی جلدی ریڈی ہو تم میک اپ نہیں کرو گی۔

وہ حیرت سے بولتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

تمھاری بارات لے کر نہیں جارہی جو میں میک اپ کرنے بیٹھ جاوں۔

اور ویسے بھی خوب صورت لوگوں کو ایسی چیزوں کی ضروت نہیں ہوتی۔

وہ اتراتے ہوئے بولی۔

یہ بات خوبصورت لوگوں کے لئے کہی گی ہے۔

وہ شرات سے بولا۔

مطلب کیا ہے تمہاری اس بات کا۔

عرشی نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

میں خوبصورت نہیں ہوں تو ٹھیک ہے لے جاو کسی حسین و جمیل دوشیزہ کو اپنے ساتھ میں نہیں جا رہی۔

وہ غصے سے منہ پھلائے بیڈ پہ بیٹھ گئی

تمہیں پتہ ہے عرشی پہلے زمانے کے لوگوں کو چڑیلیں نظر آیا کرتی تھیں۔

سمیر صوفے سے اٹھ کر اب اسکے سامنے کھڑا تھا۔

عرشی نے اس بے تکی بات پر نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

تمہیں پتہ ہے وہ کیسی دکھتی تھیں۔

وہ دو قدم اور قریب آیا۔

عرشی نے اب کے گردن نفی میں ہلائی۔

میں بتاتا ہوں کیسی دیکھتی تھیں۔

سمیر نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

وہ بھی بنا احتجاج کہ کھڑی ہو گئی۔

سمیر کی سنجیدگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

بلکل ایسی دیکھتی تھیں لوگ 3 3 دن ہوش میں نہیں آتے تھے انھیں دیکھنے کے بعد

وہ عرشی کو آئنے کے سامنے کھڑا کرتے ہوئے ہنسا۔

عرشی کے سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔

اسنے سمیر کو گھورتے ہوئے اسکے کندھے پہ ایک تھپڑ رسید کیا۔

اب تو میں بلکل نہیں جاوں گی۔

وہ واپس پلٹی تھی۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی۔

سمیر نے اسکا ہاتھ پکڑا اور تقریبا گھسیٹتے ہوئے اسے باہر لے آیا۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔

عرشی اپنا ہاتھ چھوڑانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے چلائی۔

تمہارے نخرے ختم ہونے میں ہی نہیں آ رہے۔

تو اور کیا کروں میں۔

وہ مسلسل اسے اپنے ساتھ ہی گھسیٹ رہا تھا۔

کہاں جا رہی ہے سواری۔

مین گیٹ پر ہی ٹکرا عاشر بھائی سے ہو گیا تھا۔

عرشی ضد کر رہی تھی کہ اسے آئس کریم کھانی ہے تو موسم بھی اچھا تھا سوچا باہر چل کے کھاتے ہیں۔

اس سے پہلے کہ عرشی کچھ کہتی سمیر جلدی سے بولا۔

عرشی نے کھا جانے والی نظروں سے سمیر کو دیکھا۔

جو عاشر بھائی کو دیکھتے ہی اسکا ہاتھ چھوڑ چکا تھا۔

اوکے انجوائے کرو یہی دن ہیں بعد میں میری طرح گھر آنے کا بھی ٹائم نہیں ملے گا۔

وہ عرشی کے سر پہ ہاتھ پھرتے ہوئے مسکرائے۔

اور اندر کی جانب بڑھ گئے۔

عرشی نے اپنا روئے سخن سمیر کی جانب موڑا۔

ہاں تو میں آئس کریم کھانے کی ضد کر رہی تھی۔

وہ اسے گھورتے ہوئے چبا چبا کر بولی۔

سمیر سر کھجا کر رہ گیا۔

اور اگلے ہی لمحے عرشی کی کلائی پھر اسکی گرفت میں تھی۔

کیا ہے تمہارے ساتھ ہی تو جا رہی ہوں یہ جانتے ہوئے بھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

ہاتھ تو چھوڑ دو۔

وہ جھلائی۔

گاڑی کے قریب پہنچ کر سمیر نے اسکا ہاتھ چوڑ دیا تھا۔

بیٹھو۔

وہ گاڑی کا لاک کھلتے ہوئے بولا۔

اور ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ گیا۔

وہ بھی اسکے برابر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی۔

عرشی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب کار ردا کے گھر کے سامنے جا رکی۔

عرشی نے سوالیہ نظروں سے سمیر کو دیکھا۔

اور سمیر یہ سوچ رہا تھا کہ ایسا کیا بولوں کہ بنا بحث کہ عرشی اسکی بات مان لے۔ جو کہ ناممکن تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ۔

سمیر گلا کنکھارتے ہوئے اسکی جانب مڑا۔

عرشی اب اسے گھور رہی تھی معاملہ کچھ کچھ اسکی سمجھ میں آ چکا تھا۔

مگر وہ منتظر تھی کہ سمیر شروعات کرے۔

میری اور ردا کی شرت لگی تھی۔

اسنے کہا کہ مجھ میں اسکے لئے کچھ کرنے کی ہمت نہیں ہے تو میں نے بھی کہہ دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

میں کچھ بھی کر سکتا ہوں اس کے لیے۔

اسنے مجھے چلینج کر دیا کہ ہمت ہے تو اس موسم میں سب کے سامنے اسے اپنے ساتھ لے کہ جاوں آئس کریم کھلانے۔

بقول اسکے رومینٹک موسم ہے موقع بھی ہے دستور بھی۔

وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔

ہمت تو واقع ہی نہیں ہے تم میں سمیر احمد

عرشی نے تاسف سے سر ہلایا۔

یار دیکھو پلیز تم اندر جا کہ بولو کہ تمہیں رمشا سے کچھ نوٹس لینے ہیں جو کہ بہت امپورٹنٹ ہیں۔

کل رمشا لاہور چلی جائے گی۔

عائشہ آپی کو بخار ہے ورنہ وہ ساتھ چلتیں۔

مجبورا یہاں آنا پڑا سوچا ردا کو ساتھ لے جاتی ہوں۔

سمیر نے ایک ہی سانس میں رٹے ہوئے جملے بولے۔

میں جھوٹ نہیں بول سکتی۔

رمشا آل ریڈی لاہور جا چکی ہے۔

عرشی نے گارڑی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ٹکا سا جواب دیا۔

تو ٹھیک ہے بول دو کہ سمیر ردا کو ڈیٹ پہ لے جا رہا ہے۔

وہ غصے سے بولا۔

سمیر تمہں پتہ ہے ناں کہ ردا تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔

وہ سمیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

جو سامنے آتی جاتی ٹریفک کو دیکھ رہا تھا۔

واو واٹ آ نیوز مجھے تو یہ پتہ ہی نہیں تھا۔

سمیر نے طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے۔

عرشی کو دیکھا۔

وہ ایک ایک ہڈی بھی توڑیں گے نہ تو تمہاری تین ٹوٹیں گئیں اور باقی کی عاشر بھائی ابا اور چچا مل کے توڑ دیں گے۔

آگے تمہاری مرضی۔

عرشی نے کندھے اچکاتے ہوئے سمیر کو دیکھا۔

جو اسکی بات کو سن کی بھی ان سنی کر گیا تھا۔

دیکھو سمیر یہ سب ٹھیک نہیں ہے گھر میں کسی کو بھی پتہ چلا کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو تمہں مسٹ جوتے پڑیں گے۔

اور کسی کو یہ پتہ چلا کہ میں بھی تمھارے ساتھ ملوث رہی ہوں۔

تو میرا سیدھا قتل ہو گا۔

عرشی اب کے دھیمے لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ غلط ہے۔

مگر سمیر تو ایسے لوگوں میں شامل تھا جو غلط کو بھی غط قرار نہیں دیتے۔

تم چاہتی ہو کہ میری انسلٹ ہو جائے ردا کے سامنے۔

اور ٹوٹ جائیں ہڈیاں میں نہیں ڈرتا۔

بس دل ٹوٹنے کا درد میں سہن نہیں کر سکتا۔

سمیر ونڈ سکرین کے پار دیکھتے ہوئے جذباتیت میں بولا

عرشی کا سر کھوم گیا اسکی بات سن کہ۔

بے عزتی ان کی ہوتی ہے سمیر احمد جن کی کوئی عزت ہوتی ہے۔

اور یہ لوگ لنگڑے لڑکے کو اپنا داماد کیوں بنائیں گے۔

عرشی غصے سے بولی۔

میں سچ مچ ردا سے پیار کرتا ہوں۔

فلرٹ نہیں کر رہا۔

اور ہڈیاں بھی تو انکی بیٹی کے عشق میں ہی ٹوٹیں گئیں۔

تمہارا راستہ آسان ہے ردا نے اپنی امی سے بات کر لی ہے کہ تم اسے لینے آ رہی ہو۔

اب صرف اسے باہر تک لے آو۔

سمیر اب منتوں پہ اتر آیا تھا۔

واٹ۔ردا نے میرا نام لیا۔

عرشی کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا۔

تو اور کیا کرتے ہم۔

سمیر معصومیت سے بولا۔

تم لوگ خود کشی کیوں نہیں کر لیتے مر کے امر ہو جاو۔

عرشی برہم ہوئی

پلیز مان جاو۔

سمیر نے باقاعدہ عرشی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے منت کی۔

عرشی نے لمبا سانس لے کے خود کو کول ڈاؤن کرنے کی کوشش کی

میری ایک شرط ہے۔

عرشی نے سمیر کو دیکھا۔

مجھے منظور ہے تمھاری ہر شرط بولو۔

سمیر کی خوشی دیدنی تھی۔

تم میرے فزکس کے نوٹس بنا کے دو گے۔

عرشی نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی شرط بتائی۔

ہاں منظور ہے۔

سمیر نے فورا شرط مان لی تھی۔

عرشی مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق گاڑی سے نکلی اور ردا کے گھر کہ اندر داخل ہوگئی۔

سمیر نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور سیٹی پہ کسی رومینٹک گانے کی دھن گنگنانے لگا۔

عرشی راہ داری عبور کرتے ہوئے لاونج میں داخل ہوئی جہاں سلمہ آنٹی(ررا کی امی) بیٹھی سبزی بنانے میں مصروف تھیں۔

اسلام علیکم آنٹی عرشی نے داخل ہوتے ہی باآواز بلند سب کو سلام کیا۔

واعلیکم اسلام سلمہ بیگم نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کھڑے ہو کر عرشی کو گلے لگایا۔

تم تو عید کا چاند ہو گئی ہو عرشی نظر بھی سال بھر بعد آتی ہو۔

سلمہ بیگم عرشی کو خود سے علیحدہ کرتے ہوئے شکوہ کنہ ہوئیں۔

سوری آنٹی بس وقت ہی نہیں ملا۔

عرشی شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

وہ کہتے ہیں نہ کہ وقت ملا نہیں کرتا نکالنا پڑتا ہے بیٹا جی اور کھڑی کیوں ہو بیٹھو۔

سلمہ بیگم اسے بیٹھنے کا کہتی ہوئی خود بھی بیٹھ گئیں۔

کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں غلطی میری ہے۔عرشی انکی بات کی تائید کرتے ہوئے انکے پاس رکھے صوفے پہ براجمان ہو گئی۔

ردا کی فیملی سے تعلقات ہمشہ اچھے رہے تھے۔

ردا کے ابا عرشی کے ابا کہ بہت اچھے دوست تھے اسی طرح سلمہ بیگم کی دوستی بھی شاہدہ بیگم سے ہو گئی۔

ردا کا بڑا بھائی عاشر کا جبکہ چوٹا سمیر کا دوست تھا۔

ردا عرشی کی کلاس فیلو تھی اور دوست بھی پر رمشا سے دوستی زیادہ گہری تھی۔

آنٹی میں ردا کو لینے آئی تھی۔

عرشی نے ہمت کر کہ بول ہی دیا تھا۔

ہاں بیٹا مجھے ردا نے بتایا تھا کہ تم سمیر کے ساتھ اسے بھی لے کہ جاو گئی۔

مجھے بھلا کیا اعتراض سمیر بھی تو گھر کا بچہ ہے۔

سلمہ آنٹی آپنی ہی رو میں بولتی جا رہیں تھیں۔

عرشی کا دل چاہا وہ ڈوب مرے یا سمیر کو ڈبو کے مار دے۔

ردا ردا بیٹا عرشی تمہارا انتظار کر رہی ہے۔

بیٹا جلدی واپس آ جانا حالات بھی تو ٹھیک نہیں ہیں۔

وہ ردا کو آواز دیتے ہوئے عرشی کو تنبیہ کرنا نہیں بھولیں تھیں۔

عرشی فورا سے اٹھ کھڑی ہوئی جیسے صوفے پہ کانٹے اگ آئے ہوں۔

تبھی اسکی نظر نیک سیک سے تیار ہوئی ردا پہ پڑی۔

سی گرین اور اورنج کلر کے امتزاج کے لان کے سوٹ میں اسکی دودھیا رنگت دمک رہی تھی۔

سمیر سہی اسکی اداوں سے پاگل ہوا ہے۔

عرشی نے سوچتے ہوئے اگے بڑھ کر ردا کو گلے لگایا۔

یار اتنی دیر کر دی تم دونوں نے یو نو کہ آج میری پہلی آفیشل ڈیٹ ہے۔

ردا نے گلے لگتے ہوئے آہستہ سے عرشی کے کان میں سر گوشی کی۔

شر م گھول کے پی گئے ہو کیا تم دونوں۔

عرشی اسے سے علیحدہ ہوتے ہوئے اسے ڈپٹ کے بولی۔

اب چلو وہ انتظار کر رہا ہو گا۔

ردا نے عرشی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہو چلنا شروع کر دیا۔

یار آنٹی کو تو ملنے دو۔

عرشی نے دوسرے ہاتھ سے ردا کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔

پر وہ کہاں روکنے والی تھی۔

کہاں رہ گئیں یہ دونوں۔

عرشی کو اندر گئے ہوئے دس منٹ ہو چکے تھے۔

جب سمیر زیر لب بولتا ہوا گاڑی سے باہر نکل کر چکر لگانے لگا۔

ان لڑکیوں کو کہیں بھی بھیج دو ایک منٹ کا کام ایک گھنٹے میں کر کے آئیں گئیں۔

وہ جلے پیر کی بلی کی طرح یہاں سے وہاں چکر لگا رہا تھا۔

ہاں لڑکیاں تو ہوتی ہی ایسی ہیں تم میں ہمت تھی نہ جا کہ خود لے آتے اسے۔

عرشی نے اسکا آخری جملہ سن لیا تھا سو غصے سے بولی۔

شکر ہے تم آ گی میں ابھی تک ڈر رہا تھا کہ کچھ ہو نہ جائے۔

سمیر نے ریلکس ہوتے ہوئے لمبا سانس لیا۔

ارے واہ سمیر احمد۔ بھی کسی چیز سے ڈرتا ہے۔

عرشی طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے ہنسی۔

ہاں ڈرتا ہوں ردا کو کھو دینے سے۔

سمیر کے لہجے میں کچھ تھا جس نے عرشی کو ٹھٹھکنے پہ مجبور کر دیا تھا۔

اب چلو اس سے پہلے کہ کوئی دیکھ لے۔

ردا نے سمیر کا بازو پکڑتے ہوئے اسے گاڑی کی طرف دھکیلا۔

ایکسٹرا لوگ پیچھے بیٹھیں۔

سمیر فرنٹ ڈور ردا کے لئے کھولتے ہوئے۔

باآواز بلند بولا۔

عرشی اسکا اشارہ سمجھ گئی تھی۔

ٹھیک ہے تم لوگ جاو میں تب تک سلمہ آنٹی کو کمپنی دیتی ہوں۔

وہ کہتے ہوئے جانے کہ لیے مڑی۔

اوئے ادھر آو جذباتی لڑکی میں تو مذاق کر رہا تھا۔

یہ کام تمھارے بنا ممکن نہیں تھا آو بیٹھو۔

وہ اب لائن پہ واپس آتے ہوئے اسے بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ منہ بناتے ہوئے پچھلی سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی۔

عرشی کی یہ ہی بات اچھی تھی وہ جلدی بہل جاتی تھی۔

تھینک یو سو مچ عرشی اگر تم نہ ہوتی تو یہ سب شاید اتنا آسان نہ ہوتا۔

ردا اب عرشی کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

ردا یہ سب کر کہ نہ تو میں خوش ہوں اور نہ ہی مطمئن مجھے آنٹی سے جھوٹ بول کہ بھی اچھا نہیں لگا گھر سے پتہ ہوتا کہ سمیر کا پلان کیا ہے میں کبھی نہ آتی۔

عرشی کا موڈ خاصا خراب ہو چکا تھا۔

ائی ایم سوری عرشی میری فضول کی ضد نے تم سے یہ سب کروایا۔

ردا شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

رہنے دو اسے کباب میں ہڈی جب تک ساتھ رہے گی موڈ ہی خراب کرے گی۔

کچھ اتنا بڑا گناہ بھی سرزد نہیں ہو گیا۔

سمیر ردا کی شرمندگی بھلا کہاں برداشت کر سکتا تھا۔

میں اب ہڈی ہو گئی ہوں۔

عرشی نے اسے گھورا۔

اور کونسا کریکٹر پلے کر رہی ہو تم اس وقت سمیر گاڑی ایک بڑے آئس کریم پارلر کے پاس پارک کرتے ہوئے بولا۔

اب کی بار عرشی خاموش رہی تھی۔

سمیر نے گاڑی سے باہر نکل کر ردا کی سائیڈ کا دروازہ خود کھولا تھا۔

رداہ مسکراتے ہوئے باہر نکلی۔

تمہیں باہر آنے کے لئے انویٹیشن دینا پڑے گا۔

سمیر اسکی ونڈو کی سائیڈ جھکتے ہوئے بولا۔

میں یہیں ٹھیک ہوں تم لوگ جاو۔میرا کیا کام

عرشی نے کہتے ہوئے چہرہ دوسری طرف موڑا۔

مجھے کار کو لاک کرنا ہے لحاظہ آپ باہر تشریف لائیں میں آپ کو کھلی ہو ئی کار میں چھوڑ کر جانے کا رسک نہیں لے سکتا۔

تم تو پھر بھی مل جاو گی کار کا کیا۔

سمیر اب کے اسکی سائیڈ کا درازہ کھولتے ہوئے بولا۔

وہ غصے سے پاوں پٹختے ہوئے باہر آئی۔

سمیر نے گاڑی لاک کی اور ردا کے ساتھ چلنے لگا

اور ان دونوں کے پیچھے چلتی ہوئی اندر داخل ہو گی۔

زندگی کبھی کبھی بوجھ محسوس ہونے لگتی ہے ہم اسکا بار اٹھا اٹھا کہ جب تھک جاتے ہیں تو فرار کے راستے ڈھونڈنے لگتے ہیں۔

مگر وہ تو ایک ایسی مسافر تھی جس نے اپنی ساری کشتیاں جلا کر یہ سفر شروع کیا تھا۔

اب تو واپسی ناممکن تھی۔

اب ڈوبنا یا پار لگ جانا اسکی قسمت

مگر پھر بھی وہ فرار کی راہ ڈھونڈھ رہی تھی۔

وقتی فرار۔وقتی سکون۔

عرشی نے نیند سے بوجھل آنکھیں کھولتے ہوئے وقت دیکھا۔

گھڑی 1ایک بج کر 25پچیس منٹ بتا رہی تھی۔

اسنے داود احمد کا نمبر ڈائل کیا۔

آپ کا مطلوبہ نمر اس وقت بند ہے۔

وہ شال کو اپنے گرد لپٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور چلتے ہوئے اپنے کمرے کی کھڑی کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

داود ابھی تک نہیں آئے۔

عریشہ نے سوچتے ہوئے۔

پردہ پیچھے ہٹایا۔

پورا منظر دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔

شیشے پہ اوس پڑنے کی وجہ سے اسے باہر کا منظر صاف دیکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لاہور کی سردی دسمبر کا میڈ سردی اپنے جوبن پر تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے ہی بارش رکی تھی۔

مگر داود احمد کا کچھ پتہ نہیں تھا۔

یا اللہ خیر کرنا سب ٹھیک ہو۔

عرشی کی پریشانی فطری تھی آج موسم کے تیور بھی تو ٹھیک نہیں تھے۔

وہ پریشانی سے کمرے میں ادھر ادھر چکر لگانے لگی۔

مجھے باہر جا کہ دیکھنا چاہیے۔

یہ سوچتے ہوئے وہ تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔

باہر لان میں آنے پر شدید سردی نے اسکا استقبال کیا۔

تیز ہوا اور بارش اب ہلکی ہلکی پھر شروع ہو چکی تھی۔

عرشی شال کو اپنے گرد ٹھیک سے لپیٹتے ہوئے وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گی۔

اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل دیکھا۔

2بج چکے تھے۔

سردیوں میں تو 10 بجے آدھی رات معلوم ہوتی ہے۔

اب تو پھر 2 بج رہے تھے۔

عرشی نے پریشانی کہ عالم میں داود احمد کا نمبر پھر سے ڈائل کیا۔

نمبر ابھی تک بند تھا۔

یااللہ رحم عرشی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے۔

اپنے رب کو پکارا بے شک اس سے بڑا رحیم وکریم کوئی نہیں۔

وہ اب مکمل خوف کہ حصار میں تھی سردی کا احساس جاتا رہا تھا۔

داود احمد آکثر دیر سے آتا تھا مگر جب موسم خراب ہوتا تو جلدی آجاتا۔

آج کیا ہو گیا۔

عرشی نے پریشانی سے سوچتے ہوئے پلر سے ٹیک لگائی۔

وہ صبح فجر کے بعد اٹھتی گھر کے کام بچوں کا اسکول داود کا آفس وہ داود کا ہر کام خود کرتی گھر میں ملازماوں کے ہوتے ہوئے بھی۔

پھر کبھی وقت ملتا تو دوپہر میں آرام کرتی ورنہ دن ایسے ہی گزر جاتا۔

آج بھی وہ نیند سے بوجھل آنکھیں داود کے انتظار میں لیئے بیٹھی تھی۔

اگر میری لائف کو ایک ورڈ میں ڈسکراب کیا جائے تو وہ لفظ

انتظار ہو گا۔

عریشہ نے بازو اپنے گھٹوں کے گرد باندھتے ہوے سوچا۔

گاڑی کے ہارن کی آواز پہ وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

گل خان تیزی سے اپنے کواٹر سے باہر نکلا اور گیٹ کھولا۔

عریشہ وہیں بیٹھے ہوئے دھند میں لپٹا یہ سارامنظر دیکھ رہی تھی۔

وہ اٹھ کے جانا چاہتی تھی ناراض ہونا چاہتی تھی دوسری بیویوں کی طرح اسکے دیر سے گھر آنے پہ غصہ کرنا چاہتی تھی۔

مگر وہ کچھ نہیں کر پاتی تھی کبھی بھی۔

عرشی نے موبائل کو سامنے کرتے ہوئے ٹائم دیکھا۔

2:33

تم یہاں کیوں بیٹھی ہو اتنی ٹھنڈ میں۔

وہ ایسے ہی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

جب داود گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے اب اسکے پاس کھڑا پوچھ رہا تھا۔

شائد روایتی انداز میں ایسے ہی۔

عریشہ کو تو ایسا ہی لگا۔

عریشہ نے سر اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔

آنکھوں میں دکھ کے تاثرات واضح تھے۔

اٹھو کمرے میں چلو وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

وہ ایسے ہی کرتا تھا جب اسے لگتا کہ وہ ان آنکھوں کا وار سہہ نہیں سکتا تو نظریں چرا لیتا

عریشہ نے اٹھتے ہوئے داود کو ایک نظر دیکھا اور پھر داود سے پہلے اندر چلی گی۔

ماضی

موسم آج کافی خوشگوار تھا۔

ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے رش معمول سے زیادہ تھا۔

تم یہاں بیٹھ جاوں ہم لوگ وہاں بیٹھ جائیں گے۔

سمیر ایک ٹیبل کے پاس رکتے ہوئے بولا۔

میں یہاں اکیلی بیٹھوں گی۔

عرشی نے حیرت سے سمیر کو دیکھا۔

اگر تمہیں ہیر رانجھا میں قیدو کا کریکٹر پلے کرنا ہے تو تم آ جاو ہمارے ساتھ۔

اب میں قیدو ہو گئی ہوں۔

عرشی جل کے بولی۔

دیکھوں عرشی کیوں ڈسٹرب کر رہی ہو لوگ دیکھ رہے ہیں بیٹھ جاو کچھ دیر کی تو بات ہے۔

سمیر ارد گرد نگاہ دوڑاتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

جب ایک لڑی کو یہاں بیٹھا کر دوسری کو ساتھ لے کے جاو گے تب لوگ اندھے ہو جائیں گے کیا۔

عرشی جل کے بولی۔

عرشی ٹھیک کہہ رہی ہے سمیر کیا فرق پڑ جائے گا اگر یہ بھی ہمارے ٹیبل پہ بیٹھ جائے۔

ردا عرشی کی حمایت میں بولی۔

کچھ نہیں ہو جائے گا آگر یہ ہمیں پرایوسی دے دے گی تو۔

سمیر یہ سب تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔

عرشی نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

میں دیکھ لوں گا جو کرنا ہے کر لو۔

وہ اسکی بات کو کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے ردا کا ہاتھ پکر کر اگے چالا گیا۔

سمیر یہ ٹھیک نہیں کیا تم نے ردا خفگی سے بولی۔

اچھا تم تو موڈ خراب نہ کرو پلیز

وہ ردا کو پچکارتے ہوئے بولا۔

سمیر اور ردا کا ٹیبل عرشی کے ٹیبل سے زیادہ دور نہیں تھا

وہ ان دونوں کو آسانی سے دیکھ سکتی تھی۔

پورے حال میں صرف وہ تھی جو اس وقت اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔

باقی سب یا تو گوپس میں یا فیملی کے ساتھ تھے یا اکا دوکا

کپل دیکھائی دے رہے تھے۔

اسے اپنا آپ عجوبہ دیکھائی دے رہا تھا۔

عرشی کا زیادہ دھیان ردا اور سمیر پر ہی تھا۔

اس پورے دورانیے میں سمیر نے ایک بار بھی اسے نہیں دیکھا تھا۔

وہ ردا کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔

سمیر اب ویٹر کو آرڈر نوٹ کروا رہا تھا۔

عرشی کو لگا کہ وہ اب ویٹر کو اسکے پاس بھیجے گا۔

مگر اسکا اندزہ غلط صابت ہوا تھا۔

ویٹر آرڈر نوٹ کر کہ واپس چلا گیا تھا۔

سمیر نے میرے لیے بھی آرڈر دے دیا ہو گا۔

اسنے سوچا اور اردگرد لاگوں کا جائزہ لینے لگی۔

اور پھر اسنے آئس کریم ان کے ٹیبل پہ سرو ہوتی دیکھی۔

کوئی بھی ویٹر نہ اسکے پاس آیا تھا نہ ہی کوئی آئسکریم

میم آپ کے لیے کچھ لاوں یا آپ کسی کا ویٹ کر رہی ہیں۔

ویٹر مودب انداز میں کھڑا اب عرشی سے پوچھ رہا تھا۔

اسنے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

میم آرڈر پلیز شاک اتنا شدید تھا کہ وہ فور سنبھل نہیں پائی۔

پانچ منٹ بعد آنا

عرشی نے اسے کہتے ہوئے ایک نظر سمیر کو دیکھا۔

جو اس وقت شاید زمین پہ نہیں تھا۔

سمیر یہ اگنورنس اور بےعزتی بہت مہنگی پڑنے والی ہے تمہیں۔

عرشی نے خود کو ریلکس کرنے کی کوشش کی۔

اور پھر سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

تبھی بلیک پینٹ اور وائٹ ٹی شرٹ میں سیلقے سے بال بنائے۔

موبائل پہ کچھ ٹائپ کرتے ہوئے لڑکے پہ اسکی نگاہ
عرشی کی آنکھوں میں ستائش تھی بلا شبہ وہ شخص سراہے جانے کہ قابل تھا۔
وہ اب چلتے ہوئے کائنٹر گک گیا اور وہاں کھڑے لڑکے سے کچھ کہا۔
اور واپس آ کر ایک خالی ٹیبل پر بیٹھ گیا۔
عرشی اب تک صرف اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
وہ جہاں ہوتا وہاں کچھ اور کہاں دیکھائی دیتا تھا۔
میم اب کچھ لاوں آپ کے لیے۔
ویٹر ایک بار پھر سر پہ کھڑا تھا۔
عرشی کی محویت ٹوٹی جی پائن ایپل اور چاکلیٹ مکس کر کہ لے آئیں۔
وہ اسے آرڈر نوٹ کرواتے ہو سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔
عرشی اور اسکے درمیان ایک ٹیبل کا ہی تو فاصلہ تھا۔
جہاں سے وہ اسکا سائیڈ پوز تو آرام سے دیکھ سکتی تھی۔
ویٹر آرڈر نوٹ کر کہ جا چکا تھا۔
عرشی نے پھر سے سمیر کو دیکھا وہ اپنی ہی دھن میں تھا جیسے وہ اکیلا آیا ہے۔
وہ شخص بھی اکیلا بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔

کوئی نہیں میں نہیں اب کوئی اور بھی یہاں اکیلا بٹھا ہے۔

یہ سوچنے سے ہی عرشی کو کافی حوصلہ ہو گیا تھا۔

ویٹر اسکی مطلوبہ آئسکریم لے کے آ چکا تھا۔

سنیں۔

وہ آئس کریم رکھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہوا۔

جی میم۔

ایک کام کریں میری طرف سے سب کو فری آئسکریم سرو کریں۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

آر یو شیور میم۔

ویٹر اب حیرت سے اسکا منہ دیکھ رہا تھا۔

یس آئی ایم شیور۔

اور پیمنٹ گرین شرٹ والے کریں گے۔

وہ سمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

اوکے میم وہ اثبات میں سر ہلا کر وہاں سے چلا گیا۔

اب آئے گا تمہیں مزہ مجھ سے پنگا لینے کا وہ شرات سے ہنسی۔

عرشی کا موڈ اچانک فریش ہو گیا تھا اور وہ موڈ مین ہو اور کوئی شرارت نہ ہو ایسا ممکن ہے بھلا۔

وہ مزہ سے ائسکریم کھاتے ہوئے کچھ دیر بعد کے ہنگامے کو سوچ سوچ کر لطف اندوز ہو رہی تھی۔

رکیں میں نے تو کوئی آرڈر نہیں دیا۔

ویٹر کو آئسکریم سرو کرتے دیکھ کر وہ شخص حیرت سے بولا۔

یہ آرڈر آپ کے لیے ان میم نے کیا ہے۔

ویٹر عرشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

اسنے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

عرشی اب آئسکریم کھانے مین مگن تھی۔

میرے لیے پر کیوں وہ شخص ابھی تک حیرت زدہ تھا۔

انھوں نے سب کے لیے آرڈر دیا ہے کہ آج فری آئسکریم کھلائے جائے گی ان کی طرف سے۔

اچھا تو ایسے کہو نہ۔

وہ اب ریلکس ہوتے ہوئے بولا۔

اس شخص نے پھر سے پیچھے مڑ کر عرشی کی جانب دیکھا۔

اب کے دونوں کی نظریں ملیں تھیں۔

اور مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا تھا۔

اس نے اشرے سے عرشی کو شکریہ کہا تھا۔

جو عرشی نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔

اسنے موبائل پہ شاید کسی کا ٹیکسٹ پڑھا تھا۔

جو اچانک اٹھ کر چلا گیا تھا۔

آج کا دن میری لائف کا یاد گار دن ہے۔

ردا نے خوشی سے بھرپور لہجے میں سمیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

پگر مانتی ہو میری محبت کو یا نہیں۔

سمیر نے مخمور لہجے مین کہتے ہوئے ردا کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

سر اپکا بل ویٹر بل سمیر کے سامنے رکھتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔

20،000بیس ہزار سمیر نے حیرت سے انکھیں پھاڑے بل کو دیکھا۔

دو ہزار ہو گا دیھان سے دیکھو۔

ردا نے اسے تسلی دی۔

ردا بیس ہزار ہے پڑھنا اتا ہے مجھے۔

وہ غصے سے بل اسے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

ہو سکتا ہے مس پرنٹ ہو۔

ردا بل کو دیکھتے ہوئے سمیر کو تسلی دے رہی تھی۔

سمیر نے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔

جی سر۔ویٹر ہاتھ باندھے کھڑا اب سمیر کے بولنے کا منظر تھا۔

تم لوگوں کی پرنٹ مشین خرب ہے کیا۔

سمیر بل پہ کافی سوچ وچار کرنے کے بعد بولا۔

نہیں سر ویٹر نے حیرت سے سمیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

دو آئسکریم کا بل بیس ہزار دناغ اور حساب ٹھیک ہے تم لوگوں کا۔

سمیر اب کے غصے سے بولا۔

سر انھوں نے کہا کہ سب کو فری آئسکریم سرو کرو۔

بل آپ دیں گے۔

ویٹر نے عرشی کی طرف اشارہ کیا۔

سمیر نے تب سے اب پہلی بار عرشی کو دیکھا۔

عرشی نے وہیں سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔

سمیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کر دے۔

مرتے کیا نہ کرتے کہ مصادق سمیر نے اسے پیمنٹ کی اور غصے سے تن فن کرتا بنا ان دونوں کی پرواہ کئے وہاں سے نکل گیا۔

یہ کیا کر دیا عرشی تم نے ردا نے ہنستے ہوئے عرشی کو دھپ رسید کیا۔

مزہ چکھایا ہے موصوف کو اور کیا۔

عرشی نے اپنا کندھاسہلاتے ہوئے ردا کو گھورا۔

اب چلو اس سے پہلے کہ وہ ہمیں یہیں چھوڑ کر چلا جائے۔

ردا نے عرشی کو کہتے ہوئے آگے قدم بڑھائے۔

عرشی بھی اسکے پیچھے لپکی۔

دروزہ نہیں کھل رہا۔

عرشی نے دروازے کے ہینڈل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے چلا کر کہا۔

تاکہ سمیر کے کان اس سے فیض یاب ہو جائیں۔

مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔

یہ اس بات کا صاف اشارہ تھا کہ کھل رہا ہے تو بیٹھ جاو ورنہ اس سلسلے میں وہ اسکی کوئی مدد نہیں کرے گا۔

تھوڑی دیر بعد جب عرشی کو لگا کہ وہ اب رسپونس نہیں کرے گا تو۔

عرشی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دروازہ زور سے بند کیا۔

مگر پھر بھی سمیر نے نوٹس نہیں لیا۔

ردا نے ایک نظر عرشی کا دیکھا۔

جیسے اس چپ رہنے کہ لیے کہنا چاہتی ہو۔

پر وہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔

زخم زخم ہے دل تیری اس ادا سے۔

مسکرا کہ لوٹتے ہو کہ اجاڑ دیتے ہو

اب نہ گھر کہ رہے ہیں نہ صنم کدے کے

اب بتا جائیں کہاں ہم لوٹ کے

تیرا دیدار تجھ سے ملنے کی تمنا

اسی آس میں ہم لٹ گئے ہیں۔

عرشی شعر پڑھتے ہوئے لفظ لٹ گئے کو خوب چبا چبا کہ ادا کر رہی تھی۔

ردا نے تنبیہی نظروں سے عرشی کو دیکھتے ہوئے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔

وہ الگ بات کہ ہنسی کو قابو کرنے کہ چکر میں وہ بھی بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

اگر سمیر کی ناراضگی کا ڈر نہ ہوتا تو وہ بھی کھل کہ ہنستی۔

سمیر نے گاڑی کی سپیڈ اچانک بڑھا دی تھی۔

آہستہ چلاو سمیر ٹریفک ہے ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔

ردا خوف زدہ ہوتے ہو بولی۔

کچھ نہیں ہو گا ردا اب اس نے جی کہ کیا کرنا ہے۔

ویسے بھی اب جینے کا کونسا جواز بچہ ہے۔

عرشی نے آنکھوں میں شرارت لیے ہوئے سمیر کو دیکھا۔

عرشی مذاق اپنی جگہ پر دیکھو تو یہ غصے میں ہے اور اگر بیلنس نہیں رہا تو حادثہ ہو سکتا ہے۔

ردا فکر مندی سے سمیر کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

اب کہ عرشی بھی پریشان ہوئی تھی۔

سمیر تو یوں کبھی خاموش نہیں رہتا تھا۔

اسے اتنے سے پیسوں کا اتنا بڑا روگ کیسے لگ گیا۔

مسلہ کچھ اور ہے پتہ کرنا پڑے گا۔

عرشی نے پر سوچ نظروں سے سمیر کو دیکھا۔

اور اسے مذید تنگ کرنے کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔

پھر پورا راستہ خاموشی رہی تھی۔

ردا کو ڈراپ کر کہ وہ لوگ گھر آئے تو سب لوگ رات کے کھانے پہ انکا ویٹ کر رہے تھے۔

سمیر کھانا ریڈی ہے۔

سمیر عرشی کہ پیچھے آتا دیکھائی دیا تو عاشی نے کھانے کا بھی پوچھ لیا جانتی تھی کہ وہ بھوک کا کچہ ہے۔

گھر الگ الگ تھے مگر رات کا کھانا ہمیشہ ساتھ کھایا جاتا۔

نہیں مجھے بھوک نہیں ہے۔

وہ کہتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

اسے کیا ہوا کھانے سے انکا کر دیا۔

عاشی نے حیرت سے عرشی کو دیکھا۔

اسے کچھ ہونے کے لیے کسی وجہ کی ضروت نہیں پڑتی۔

عرشی نے منہ بنایا۔

تم سے لڑائی ہوئی ہے کیا۔

عائشہ نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

آپ کیوں حیران ہو رہیں ہیں ہماری لڑائی کوئی پہلی بار تھوڑی ہوئی ہے۔

عرشی نے لاپرواہی سے کہا۔

یااللہ کب بڑے ہو گے تم دونوں۔

عائشہ دانت پیستے ہوئی بولی۔

ان شاء اللہ بہت جلد عرشی نے شرارت سے کہتے ہوئے ایک آنکھ دبائی۔

اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

سنو۔

عاشی نے اسے جاتے ہوئے آواز دی۔

جی کہیں۔

عرشی جاتے ہوئے رکی۔

اپنا موبائل چک کر لو رمشا کی کال آئی تھی۔

اسے کال بیک کر لینا اور یہ بھی بتاتی جاو کہ تم کھانا کھاو گی یا نہیں۔

مجھے بھوک نہیں ہے اور رمشا کو میں کال بیک کر لوں گی۔

عرشی کہتے ہوئے اگے بڑھ گئی۔

روم میں آکر اسنے پہلا کام جو کیا وہ رمشا کو کال بیک تھی۔

آگئی میری یاد۔

رمشا نے کال پک کرنے پہ پہلا طعنہ سنا تھا۔

پھر بھی مجھے آئی تم نے تو پھر بھی یاد نہیں کیا۔

رمشا ہنستے ہوئے بولی۔

کوئی نہیں نانو کے گھر جا کہ تو بس بھول ہی جاتی ہو تم

عرشی نے منہ بنایا۔

بس یار مصروفیت رہی نانو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

رمشا پریشانی سے بولی۔

اوہ کیا ہوا انھیں اب تو ٹھیک ہیں نہ عرشی نے فکر مندی سے پوچھا۔

اب تو ماشااللہ بہت بہتر ہیں۔

اچھا اللہ انھیں صحت دے۔

عرشی نے دل سے دعا کی۔

آمین رمشا نے بھی صدق دل سے آمین کہا۔۔

یار تم واپس کب آو گی۔

عرشی اب رمشا سے اسکی واپسی کا پوچھ رہی تھی۔

اسی ہفتے اور جب واپس آوں گی تو تمہیں ایک بات بتاوں۔

رمشا مسکرائی۔

ابھی بتاو واپسی تک کون انتظار کرے۔

ابھی ایک ضروری کام ہے بعد میں بات ہوتی ہے۔

رمشا نے عجلت میں کہا۔

جب کال کرو تم سے بات کرنے لگو تم بزی ہوتی ہو پورے ملک کا نظام تم ہی تو چلا رہی ہو۔

عرشی جل کر بولی۔

اوکے یار بعد میں کرتی ہوں بات۔

رمشا نے ہنستے ہوئے اسے تسلی دی اور کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

کسی کہ پاس میرے لیے ٹائم نہیں ہے اوپر سے یہ سمیر کا بچہ وہ بھی ناراض ہو گیا۔

اتنا کونسا بڑا خصارہ ہو گیا میرے ہاتھوں اسکا۔

عرشی موبائل بیڈ پہ اچھالتے ہوئے بڑبڑائی۔

مجھے ابھی جا کہ بات کرنی چاہیے سمیر سے وہ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پر اس وقت شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالنے کا حاصلہ نہیں تھا اس میں سو وہ سیڑھیوں سے یہ سوچ کر واپس آ گئی تھی کہ صبح بات کر لے گی جب اسکا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

داود جب کمرے میں آیا تو عریشہ راکنگ چیر پہ آنکھیں موندے نیم دراز تھی۔

تم اب یہاں کیوں بیٹھ گئی۔

سو جاو بہت رات ہو گی ہے وہ اب اسکے پاس کھڑا فکرمندی سے بول رہا تھا۔

مجھے نیند نہیں آ رہی آپ سو جائیں۔

عریشہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے داود کو دیکھا۔

ٹھیک ہے پر بیڈ پہ لحاف میں تو لیٹو یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔

بیمار پڑ جاو گی۔

داود نے اسکی کلائی پکڑتے ہوئے اسے کھڑا کیا۔

وہ جانتا تھا وہ کہنے سے نہیں مانے گی۔

وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی۔

کہ کیوں اب کیوں فکر ہو رہی ہے اسے اسکی جب وہ باہر بیٹھی تھی تب خیال نہیں آیا جب وہ گھر نہیں آیا تو اسنے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ کوئی اسکا منتظر ہے۔

وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بیڈ پہ جا بیٹھی۔

میں کچھ دنوں کہ لیے کراچی جانا چاہتی ہوں۔

وہ اپنے آنسوؤں اور آواز پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

خیریت ہے نہ۔

اپنی گھڑی اور موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے وہ چونکا۔

ابا کی طبیعت ٹھک نہیں ہے اماں کا فون آیا تھا وہ یاد کر رہے ہیں مجھے۔

ایک آنسو ٹوٹ کہ اسکی ہتھیلی پہ گرا۔

کب جانا ہے داود احمد اسکے مقابل بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

کل صبح کی پہلی فلائٹ سے

وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔

اتنی جلدی کیا ہے پیکنگ بھی نہیں ہو گی تمہاری تو اور میں بزی ہوں تمہارے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔

وہ فکر مندی سے بولا۔

آپ کب میرے ساتھ ہیں۔

ہم دو الگ الگ مسافر ہو سکتے ہیں ہمسفر نہیں۔

نہ چاہتے ہوئے بھی عریشہ کی زبان پہ شکوہ در آیا تھا۔

کتنے دنوں کا پلان ہے وہ اسکی پشت کو دیکھتے ہوئے ہمیشہ کی طرح بات بدل گیا

کچھ اندازہ نہیں کہ کب واپس آوں مگر صبح جانا ہے لازمی

وہ قطعیت سے بولی۔

اوکے صبح سیٹس کنفرم کروا کہ بتا دوں گا۔

داود نے لیٹتے ہوئے کہا اور آنکھیں بند کرتے ہوئے کروٹ بدل لی۔

عریشہ نے ایک نظر گہری نیند سوئے داود احمد کو دیکھا اور اٹھ کر وارڈروب کی طرف چلی گئی جہاں اسے اپنی اور بچوں کی پیکنگ کرنی تھی۔

_____"""""""_____"""""""_____"""""""_____"""""""____

____"""""_____"""""_____

وہ فجر کے بعد سوئی تو آنکھ پھر صفیہ (کام والی) کے جگانے پہ کھلی۔

رات کو وہ جب تک پیکنگ سے فارغ ہوئی فجر کی آذان ہو چکی تھی۔

نماز پڑھ کہ وہ کافی دیر لیٹے ہوئے خالی نظروں سے سوئے ہوئے داود احمد کو دیکھتی رہی تھی۔

وہ شخص جسے اسنے بے انتہا چاہا تھا۔

نجانے پھر کب اسکی آنکھ لگی اسے پتہ نہیں چلا۔

باجی اٹھیں۔

صفیہ اسکے پاس کھڑی اسکا بازو ہلا رہی تھی۔

عریشہ نے آنکھیں کھولتے ہوئے نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

ڈرائیور یہ لفافہ دے گیا ہے داود صاحب نے دیا ہے آپ کے لیے۔

وہ لفافہ اسکے حوالے کرتے ہوئے واپس چلی گئی۔

عریشہ لیٹے لیٹے کچھ دیر یوں ہی چھت کو گھورتی رہی اور پھر اٹھ بیٹھی لفافہ کھول کہ دیکھا اس میں اسکے اور بچوں کے ٹیکٹ تھے۔

اور ساتھ میں ایک چٹ۔۔۔۔

اسنے اس چٹ کو کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

)آئی ایم سوری میں تم لوگوں کو ائیرپورٹ چھوڑنے زرور جاتا مگر میری ایک بہت اہم میٹنگ ہے۔

داود احمد۔۔۔۔(

عریشہ نے چٹ واپس فولڈ کرتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھرا۔

اب تو یہاں رکنے کا اور کوئی جواز باقی نہیں بچا تھا۔

اسنے اسے زندگی میں بہت سے مواقع دیئے تھے۔

ان گنت بے شمار کہ کبھی تو وہ اسکی طرف لوٹ کہ آئے گا۔

اسکی محبت اور خدمت کی قدر کرے گا۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔

وہ کیا کرتی یہ زندگی بھی تو اسکی خود کی چنی ہوئی تھی۔

یہ فیصلہ کسی اور کا ہوتا تو شاید اب تک بہت بڑا ہنگامہ ہو چکا ہوتا

پر دل کے فیصلے پہ ہنگامے نہیں کئے جاتے انھیں صرف قبول کیا جاتا ہے نتیجہ چاہے کیسا بھی ہو۔

اسنے سامنے وال کلاک کی طرف دیکھا گیارہ بج رہے تھے

اسنے ٹیکٹ پہ ٹائم چیک کیا۔

دو گھنٹے بعد کی فلائٹ تھی۔

ائیر پورٹ زیادہ دور نہیں تھا۔

وہ تیزی سے اٹھی خود شاور لے کے فریش ہوئی بچوں کو تیار کیا۔

بچے اس اچانک افاد پہ حیران تھے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

اور ائیر پورٹ کے لیے نکل گئی،

ماضی

عرشی گیارہ بجے سو کے اٹھی تھی گھر میں بہت چہل پہل تھی چادریں تکیوں کے غلاف تبدیل ہو رہے تھے کام والوں کی عاشی کے ہاتھوں شامت آئی ہوئی تھی۔

پورا گھر اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

یہ کیا ہو رہا ہے عرشی نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بکھری ہوئی چیزیں سمیٹتی ہوئی عاشی سے پوچھا۔

اسے صفائی کہتے ہیں۔اور صفائی نصف ایمان ہے۔

عاشی اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

وہ تو مجھے بھی پتہ ہے اس صفائی کا جنون کیوں چڑھ گیا آپکو اتنی گرمی میں۔۔

عرشی قریبی صوفے پہ پڑی چادریں ہٹاتے ہوئے بیٹھی۔

ناشتہ کرو گی لگاو تمہارے لیے بعد میں میرے پاس ٹائم نہیں ہو گا۔

عاشی ڈرائنگ روم کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

نہیں موڈ نہیں ہے دوپہر میں کھانا کھا لوں گی۔

عرشی کسلمندی سے بولی۔

رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تم دونوں نے اور وہ سمیر بھی کل رات سے بھوکھا لیٹا ہے چچی جان صبح سے نیچے بیٹھی پریشان ہو رہی ہیں کچھ تو بتاو ایسا کیا ہو گیا ہے اتنی سریس لڑائی تو کبھی نہیں ہوئی تم لوگوں کی اور وہ صدا کا بھوک کا کچا کل سے بھوک ہڑتال پہ ہے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ میرے بنائے ہوئے پر آٹھے کھانے سے بھی انکار کر دیا۔

عاشی اب پریشانی سے بولتے ہوئے عرشی کے جواب کی منتظر تھی۔

میں ابھی دیکھ کے آتی ہوں اسے

عرشی تھوڑی دیر عاشی کو دیکھتے رہنے کہ بعد تیزی سے کہتے ہوئے اٹھی اور سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اوپر پہنچ گئی۔

سمیر کے روم کا دروازہ بند تھا۔

وہ کبھی بھی دیر تک نہیں سوتا تھا اور نہ ہی اسے سونے دیتا تھا۔

اور آج تو عرشی کی صبح اتنی اداس تھی وہ پریشان بھی تھی وہ اس کی شراتوں کو کبھی سیریس نہیں لیتا تھا۔

اب کیا ہو گیا ایسا۔

عرشے نے سوچتے ہوئے دروازے پہ دستک دی۔

ورنہ تو وہ دونوں ایک دوسرے کے کمروں میں اور وہ بھی دستک دے کر اجازت لے کر جائیں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری تیسری دستک پر بھی جب خاموشی رہی تو عشی

عرشی نے ہمت کر کے دروازہ کھولا وہ لاک نہیں تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی ہوئی۔

پورا کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

سمیر چادر سر تک تانے سیدھا لیٹا تھا۔

اسکا ظراری انداز میں ہلتا ہوا پاوں اس بات کی گواہی تھا کہ وہ سویا نہیں ہے بس ایکٹنگ کر رہا ہے۔

یہ لوئی ٹائم ہے سونے کا حد ہوتی ہے ویسے۔

عرشی نے کہتے ہوئے لائٹ آن کر دی۔

یہ کیا سوگ منا رہے ہو تم کل سے اور بھوک ہڑتال کیوں کر رکھی ہے۔

وہ بلکل نارمل انداز میں بات کر رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں

سمیر نے اسکی کسی بات کا نوٹس نہیں لیا۔

میں تم سے بات کر رہی ہوں۔

عرشی نے اسکے منہ سے چادر کھینچی۔

مگر میں تم سے بات نہیں کر رہا۔

وہ بچوں کی طرح منہ بناتے ہوئے بولا۔

اچھا مت کرو بات کھانا تو کھا لو۔

عرشی اپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔

مجھے نہیں کھانا اور تم جاو یہاں سے دوبارہ مت آنا۔

اسنے کہتے ہوئے چادر دوبارہ منہ پہ تانی۔

میں تمہارے حکم کی پابند نہیں سیدھی طرح اٹھو ورنہ نیچے جا کہ میں سب کو بتا دوں گی کہ کل ہوا کیا تھا۔

عرشی نے اب کے چادر ادکے اوپر سے اتار کر قریبی صوفے پہ پھینک دی۔

یہ تم مجھے دھمکی مت دیا کرو میں ڈرتا نہیں ہوں۔

وہ سیدھا ہو بیٹھا اور اسے گھورنے لگا۔

نہیں ڈرتے تم میری دھمکیوں سے۔

عرشی نے اسکی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ یونہی منہ بنائے بیٹھا رہا۔

اللہ تم نارض ہو کے کتنے کیوٹ لگتے ہو۔

عرشی نے بچوں کی طرح اسکے دونوں گال کھنچے۔

سمیر نے اسکے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر خود کو آزاد کروایا۔

ہنس دو عرشی اپنی آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے معصومیت سے بولی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی سمیر کو ہنسی آ گی تھی۔

عرشی نے سکھ کا سانس لیا۔

اب اس سے بات اگلوئی جا سکتی تھی۔

یہ کیا حرکت تھی جو کل تم نے کی تھی۔

سمیر اب نئے سرے سے اس بات کا ذکر لے کے بیٹھ گیا۔

پہلے تو تم مجھے بتاو کہ تمنے اس بات کو اتنا ایشو کیو بنا لیا ہے اندر کی کیا بات ہے تم وہ بتاو مجھے پہلے۔

عرشی نے اسے مشکوک نظروں سے گھورا۔

اب ایسے مت دیکھو بتاتا ہوں۔

سمیر منہ بسورتے ہوئے بولا۔

تو بتاو دو۔

عرشی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک گولڈ کی رنگ پسند آئی تھی مجھے

اسی منتھ میں ردا کا برتھ ڈے ہے میں وہ رنگ اسے دینا چاہتا تھا کچھ پیسے ہیں مگر باقی کے تمہاری وجہ سے چلے گئے۔

پرسوں ہی تو ابا سے کیے تھے اب کیا کہوں گا انھیں میں۔

وہ پریشانی سے بولا۔

اچھا تو یہ بات ہے کتنے کی رنگ تھی جو تمہیں پسند آئی۔

عرشی اب شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

پچاس ہزار کی تھی تیس ہیں بیس نہیں ہیں کیا کروں۔

وہ اب کے چڑ کے بولا۔

آئی ایم سوری۔

مگر پھر بھی میری غلطی اتنی بڑی نہیں ہے۔

اور ردا اگر سچ میں تم سے محبت کرتی ہے تو اسے ان سب باتوں سے کوئی فرق نہین پڑے گا۔

محبت کرنے والے تحفے کی قیمت نہیں دیکھتے اس میں دینے والے کا خلوص دیکھتے ہیں وہ محبت جو اس میں شامل ہوتی ہے۔

عرشی اسے سمجھاتے ہوئے ساتھ دلیل بھی دے رہی تھی۔

اب تم اپنے کیئے۔

پر ان باتوں کا پردہ مت ڈالو۔

وہ کہہ تو تھیک رہی تھی پر وہ اتنی آسانی سے کیسے مان جاتا۔

اچھا دفع ہو جاو نہ مانو عرشی فورا غصہ ہوئی۔

اچھا اب کھانا کھلا دو بھوک سے جان نکل رہی ہے۔

سمیر کا موڈ اب قدرے بہتر تھا اور بھوک کا احساس بھی جاگ اٹھا تھا۔

خود کھا لو۔۔۔

وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

ہوٹل میں کھانا کھانے کہ پیسے نہیں ہین میرے پاس وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے معصومیت سے بولا۔

اب ایک غلطی کیا ہو گی چھوٹی سی شرارت کی تھی ساری عمر طعنے دے دے کے مار دو گے تم مجھے۔

میں نہیں دے رہی خود لے کے کھا لو۔

وہ غصے سے کہتے ہوئے کمرے سے باہر چلی گی۔

وہ بھی مسکراتے ہوئے کچن کی طرف چل دیا۔۔۔

ایئر پورٹ پہنچنے پہ اسے پتہ چلا تھا کہ فلائٹ موسم کی خرابی کی وجہ سے دو گھنٹے لیٹ ہے۔

وہ سامان رکھ کر ویٹنگ ایریا میں بیٹھ گئی۔

باہر کی بانسبت اندر سردی کم تھی۔

کل کی بارش کی وجہ سے خنکی اور بڑھ گئی تھی۔

ڈرائیور کو اسنے وہیں سے بھیج دیا تھا۔

عنایہ ادھر آ کر بیٹھ جاو آرام سے۔

عریشہ نے اپنی سات سالہ بیٹی کو آواز دی۔

مما کھیلنے دیں نہ پلیز۔

چھ سالہ دانیال نے ضد کی۔

اسنے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ خاموشی سے اچھل کود کرتے ہوئے اپنے دونوں بچوں کو دیکھ رہی تھی۔

اسکی محویت موبائل کی رنگ ٹیون نے توڑی۔

کال عاشر بھائی کی تھی اس وقت وہ کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

مگر ابا کا خیال انے پر وہ نظرانداز نہیں کر پائی۔

اسلام علیکم۔

اسنے کال اٹینڈ کرتے ہوئے سلام کیا۔

واعیلکم اسلام کیسی ہے میری بیٹی۔

دوسر طرف اماں تھیں۔

میں بلکل ٹھیک اماں آپ سنائیں ابا کی طبعیت کیسی ہے اب۔

وہ فکر مندی سے بولی۔

وہ پہلے سے بہتر ہیں اب تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔

وہ گلوگیر لہجے میں گویا ہوئیں۔

اماں آپ اللہ پہ بھروسہ رکھیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں۔

اسنے نظریں اپنے خالی ہاتھ پر مرکوز کیں۔

بائی پاس کا بولا ہے بس اللہ رحم کرے۔

اماں اب آہستہ آواز میں رو رہیں تھی۔

اماں سب ٹھیک ہو جائے گا آپ پریشان مت ہوں۔

وہ کہتے ہوئے خود بھی رودی۔

پاپا پاپا۔۔۔۔۔

دانیال اور عنایہ کی آوز نے اسکی توجہ اپنی جانب مبذول۔کروائی تھی۔۔۔

اسنے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔

اماں۔میں بعد میں بات کرتی ہوں آپ سے۔

عریشہ نے انھیں اپنے آنے کا بتائے بغیر ہی کال ڈسکنیکٹ کر دی تھی۔

داوداحمد دانیال کو گود میں اٹھا اسی کی طرف آ رہا تھا۔

عریشہ نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کئے اور سیدھی ہو بیٹھی۔

پاپا ہم۔کہاں جا رہے ہیں۔

دانیال اب معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔

دانی ظاہر ہے ہم بانو کے گھر جا رہے ہیں اور کہاں جانا ہے ہم نے۔

عنایہ نے اسے تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پاپا آپ بھی ہمارے ساتھ جا رہے ہیں کیا۔

دانیال کا دوسرا سوال بھی تیار تھا۔

اسکا جواب تو عنایہ کہ پاس بھی نہیں تھا۔

وہ سوالیہ نظروں سے اپنے باپ کو دیکھنے لگی۔

عریشہ بت بنے بیٹھی آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

داود نے ایک نظر عریشہ کو دیکھا۔

نہیں بیٹا پاپا بزی ہیں وہ آپکو لینے آئیں گے۔

پرامس۔پاپا دانیال نے فورا اپنا ننھنہ ہاتھ آگے کیا۔

پرامس پاپا کی جان

داود نے مسکرتے ہوئے اسکا ہاتھ تھاما۔

بچے کتنے معصوم ہوتے ہیں جھوٹے وعدوں اور دلیلوں سے فورا قائل ہو جاتے ہیں۔

ہمیں بچپن ہی سے جھوٹ بولنا جھوٹے وعدے کرنا وعدہ خافی کرنا سیکھایا جاتا ہے۔

اور پھر ساتھ کہا جاتا ہے جھوٹ نہیں بولتے۔

وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

اللہ تعالی ناراض ہوتے ہیں۔

اپنے بچوں کو یہ سب کہنے کی بجائے ہم عمل کر کہ کیوں نہیں دیکھاتے۔

بچے وہی کرتے ہیں جو دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں جو آپ کو کرتا دیکھتے ہیں۔

جس بات کو آپ پورا نہ کر سکو اس بات پہ وعدہ کرنے کا بھی آپکو کوئی حق نہیں۔

عریشہ نے داود احمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

بلیک سوٹ اور ریڈ شال میں اداسی کی چادر اوڑھے وہ کوئی مومی مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔

کوئی سادگی میں بھی اتنا غضب ڈھا سکتا ہے بھلا۔

داود احمد نے سوچتے ہوئے نگاہیں چرائیں۔

پتہ نہیں کیوں وہ یہ سب کر رہا تھا۔

جبکہ اس کے بعد بھی سکون میسر نہیں آ رہا تھا اسے۔

میں جھوٹ نہیں بول رہا میں لینے آوں گا آپ سب کو۔

داود نے سامنے دیکھتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی۔

یہ بھی ایک ویسا وعدہ ہے جو پچھلی بار جاتے ہوئے کیا تھا۔

تب بھی ان لوگوں کو بہلانا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

وہ بچوں کی طرف اشارہ کر کہ بولی۔

اب بہلانا پڑا تو میں آ کہ بہلا لوں گا انھیں۔

وہ مسکرایا۔

عریشہ نے اپنی توجہ پھر سے آتے جاتے لوگوں پہ مبذول کر لی۔

میں تمہارے لیے آیا ہوں اور طتم مجھ سے بات ہی نہیں خر رہی۔

جب کافی دیر بعد بھی عریشہ نے داود کی طرف نہیں دیکھا۔

تو وہ بچوں کو کھیلنے کا کہتا اس سے مخاطب ہوا۔

کیا بات کروں۔۔۔

بات کرنے کے لیے کچھ بچہ ہے کیا۔

وہ براہ راست اسکی انکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

ہاں بہت کچھ ہے تم دیکھو تب نہ وہ بھی اب اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مظبوط لہجے میں بولا۔

دیکھنے کی سوچنے کی ضرورت مجھے نہیں آپکو ہے۔

اف اس شخص کی آنکھیں۔۔۔

جھوٹ بھی سچ معلوم ہونے لگتا

اور آپکی میٹنگ تھی یہاں کیسے آنا ہوا۔

وہ نظریں چراتے ہوئے پھر سے سامنے دیکھنے لگی۔

بس سوچا تم لوگوں کو سی آف کر آوں تم شاید مجھ سے ناراض ہو کر جا رہی ہو مجھے چھوڑ کر۔

وہ ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے بولا۔

مجھے اگر آپکو چھوڑنا ہوتا تو بہت پہلے چھوڑ چکی ہوتی۔

رہی بات اب جانے کی تو۔۔

آئی نیڈ آ بریک مسٹر داود احمد۔

میں ناراض نہیں ہوں۔

وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے یاسیت سے بولی۔

اور میرے لیے تو آپ آئے نہیں اس لیے بچوں سے مل لیں میں جانتی ہوں آپ بچوں کہ بغیر نہیں رہ سکتے۔

بورڈنگ سٹارٹ ہو رہی ہے۔

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں تمہارے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔

اسنے جانے کے لیئے آگے قدم بڑھائے تھے جب داود احمد نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔

یہ شخص ہمیشہ ایسے ہی اسکے پیروں کی زنجیر بنتا تھا۔

کیوں نہ بنتا اسکی کمزوری وہ خود تھا اور اس بات کو وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

عریشہ نے آنکھوں میں آئی نمی کو اپنے اندر اترا

اوہور مڑ کر اسے دیکھا۔

اس لمحے اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

اگر میں کہوں مت جاو تو کیا تم رک جاو گی۔

زنجیر نے اب دوسرے پیر کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

نہیں۔۔۔

اسنے اسکی آنکھوں مین دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ سے آزاد کروایا

بے شک ان زنجیروں نے اسے زخمی کیا تھا مگر وہ۔۔۔۔۔۔۔

ان زنجیروں کو توڑتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

داود احمد نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دیے۔

کوئی مجھے بتائے گا کہ ہو کیا رہا ہے پورا گھر اوپر نیچے کرنی کی کوئی تو وجہ ہو گی۔

وہ کچن میں کھانا بناتی عائشہ کے سر پہ کھڑی پوچھ رہی تھی۔

ماموں لوگ آ رہے ہیں۔

عاشی نے کباب فریز کرتے ہوئے جواب دیا۔

اچھا تو یہ بات ہے۔

عرشی نے شرارت سے عاشی کو دیکھتے ہوئے اچھا کو کھینچ کر ادا کیا۔

اچھا یار آپی بہت بھوک لگ رہی ہے کباب ہی فرائی کر دو۔

عرشی نے پیٹ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دہائی دی۔

میرے پاس اس وقت بہت کام ہے اور وہ لوگ شام میں آئیں گے رات کے کھانے کی تیاری کرنی ہے وقت کم ہے تم صبر رکھو رات کو سب کچھ ملے گا اب مجھے ڈسٹرب مت کرو۔

بس بہانے بنا لو کل رات سے بھوکی ہوں۔

اسنے منہ بنایا۔

عرشی پلیز خود فرائی کر لو کونسا بڑا کام ہے۔

عاشی بریانی کا سامان ایک جگہ جمع کر رہی تھی۔

جب بڑا نہیں ہے تو آپ کر دو نہ۔

وہ وہیں سلیب پہ چڑھ کہ بیٹھ گئی۔

یہ کیا طریقہ ہے عرشی نیچے اترو۔

کچھ مینرز سیکھ لو لڑکی۔

عاشی نے اسے گھورا۔

مگر اثر کسے ہونا تھا۔

کچھ کھانے کے لیے ملے گا۔

سمیر دروازے میں کھڑا عاشی سے مخاطب ہوا۔

ہاں اس وقت کباب مل سکتے ہیں کھانے میں ابھی دیر ہے۔

عاشی نے پیچھے مڑتے ہوئے جواب دیا۔

واو گریٹ تو ساتھ میں ایک کپ چائے بھی۔

عاشی نے اثبات میں سر ہلایا۔

ہاں میرے لیے ٹائم نہیں ہے پر اس موصوف کہ لیے مصروفیت میں بھی وقت مل جاتا ہے۔

عرشی جل کہ بولی۔

اوے تم بھی یہاں بیٹھی ہو۔

سمیر جانے کے لیے پلٹا تھا جب عرشی کی آواز پر واپس کچن میں آ گیا۔

کیوں میرے یہاں ہونے پہ تمہیں کوئی مسلہ ہے

وہ اب اسکے سر ہوئی۔

تم پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے کیوں پڑ گی ہو میں نے کیا کیا ہے۔

سمیر نے آگ بھگولہ ہوتی عرشی کو حیرت سے دیکھا۔

کچھ نہیں بھوک دماغ کو چڑھ گی ہے۔

جواب عرشی کی بجائے کباب فرائی کرتی عاشی کی طرف سے آیا تھا۔

یہ لو کھا لو عاشی کباب اسے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

مجھے نہیں کھا نا سنا آپ نے اپنے لاڈلے کو کھلائیں۔

وہ غصے سے کہتے ہوئے سلیب سے نیچے اتری۔

اوہ تو تم مجھ سے جیلس ہو رہی ہو کہ میری بات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

سمیر نے گردن آکڑئی۔

جلتی ہے میری جوتی۔

وہ غصے سے کہتے ہوئے وہاں سے واک آوٹ کر گئی۔

چلو جوتی ہی سہی پر تم نے تسلیم تو کیا کہ جلتی ہے۔

سمیر کی آواز نے اسکا پیچھا کیا تھا۔

پر وہ بنا کان دھرے اپنے کمرے میں آ گی۔

----------"""""---------"""""----------"""""----------

--"""""""""""""-------"""""""---

عرشی جب کمرے میں آئی

تو اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا اسنے نمبر دیکھا۔

ایک تو اسکو کوئی اور کام نہیں ہے۔

اسنے کوفت سے دیکھتے ہوئے کال کٹ کر دی۔

اور پھر جب پانچ سے سات بار بھی کال ڈسکنکٹ ہوتی رہی تو میسج آنا شروع ہو گے۔

پلیز ایک بار بات کر لیں۔

میں آپکی آواز سننا چاہتا ہوں بس۔

اور اسی قسم کے کئی اور میسج۔

عرشی مسلسل اگنور کرتی رہی پر کب تک۔

مجھے نہ کال پہ نہ میسج پہ مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی سیمپل۔

عرشی نے تنگ آکر اسے ریپلائی کیا۔

پلیز یہ ظلم مت کریں مجھ غریب پر اتنے دن کیسے خود کو روکے رکھا آپ نہیں جانتیں۔

ایک افسردہ سا میسج۔

آپ نے تو کہا تھا کہ اب آپ دوبارہ تنگ نہیں کریں گے۔

پھر کیوں کال اور میسج کر رہے ہیں بار بار۔

عرشی کو اس ڈھیٹ پر غصہ آ رہا تھا۔

آپ نے میرا نام تو پوچھا ہی نہیں تھا۔

انتہائی فضول ریزن پیش کیا گیا۔

کیونکہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے نہ آپ میں نہ آپ کے نام میں پلیز لیو می۔

وہ غصے میں آ چکی تھی۔

میں نہیں چھوڑ سکتا آپ کو۔

اگر میں آپکا نام پوچھ لوں تو تب میری جان چھوڑ دیں گے۔

وہ اب دانت پستے ہوئے اسکے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

ہو سکتا ہے۔

عجیب میسج نہ مکمل اقرار اور نہ ہی انکار

چلیں بتائیں اپنا نام۔

اسنے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے اگلا میسج لکھا۔

عاشق۔

کس کے۔۔۔؟

عرشی نے نا سمجھی کے عالم میں پوچھا۔

ارے بھائی میرا نام عاشق ہے۔

اسکا اگلا میسج پڑھ کے عرشی کی ہنسی چھوٹ گی اور پھر وہ ہنستی چلی گی۔

اللہ ماں باپ بھی کیسے کیسے نام رکھ دیتے ہیں۔

اسنے ہنستے ہوئے اگلا میسج کیا۔

اور دوبارہ ہنسنے لگ گئی۔

تم پہ جن عاشق ہو گئے ہیں۔

میں تو خالہ امی سے کہ رہا تھا کہ دم کروائیں تمہیں۔

سمیر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی عرشی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

کیوں تمہیں ایسا کیوں لگا۔

عرشی اپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی۔

کیونکہ ابھی تم۔کچن میں ہم سے لڑ کر آئی اور ابھی اکیلی بیٹھی ہنس رہی ہو۔

تو یاں جن عاشق ہے یا تم مکمل پاگل۔ہو چکی ہو۔

وہ چائے اور کباب سے سجا ٹرے اسکے سامنے رکھتے ہوئے اسکے مقابل بیٹھ گیا۔

جی نہیں مجھے کچھ نہیں ہوا۔

بس وہ رمشا نے ایک جوک سینڈ کیا تھا اسی پہ ہنس رہی تھی۔

اچھا اتنا فنی تھا مجھے بھی سناو۔

وہ کباب توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے بولا۔

وہ اسکے کسی کزن کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔

وہ اتنی بات کر کے پھر ہنسنے لگی۔

بیٹے کا پیدا ہونا خوشی کی علامت ہے یہ جوک نہیں ہوتا۔

وہ دانشمندانہ انداز مین بولا۔

نہیں اسکا نام۔عرشی نے اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے کہا۔

کیا ہوا اسکے نام کو نام رکھنا ضروری ہوتا ہے یہ بھی جوک نہیں ہوتا۔

وہ کباب سے مکمل انصاف کرتے ہوئے بولا۔

تم نام سنو بس انھوں نے اسکا نام عاشق رکھا ہے۔

وہ اب پھر سے ہنسنے لگی۔

اب کے سمیر بھی مسکرا دیا۔

اتنی بات نہیں جتنا تم ہنس رہی ہو۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

اچھا میں تمھیں بتانے آیا تھا کہ اگلے ہفتے میں حیدآباد جا رہا ہوں۔

وہ اب چائے کا کپ ہاتھ مین لیتے ہوئے عرشی کو اطلاع دے رہا تھا۔

کیوں خیریت ہے۔

عرشی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

وہ میرا دوست ہے نہ رحیم اسکی شادی ہے تو ایک ہفتہ تو رکنا پڑے گا۔

وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے بولا۔

کون لوگ ہیں جو اتنی گرمی مین شادی کرتے ہیں۔

عرشی نے جھرجری لی۔

اسکے ابا بہت بیمار ہیں انہی کی خواہش پہ ہو رہا ہے سب۔

وہ اسکی چوٹی کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

تمہیں کتنی بار کہا ہے بال مت کھینچا کرو میرے۔

وہ اپنے سر کو سہلاتے ہوئے چلائی۔

جنتی بار مرضی کہو میں نے کونسا منع ہو جانا ہے۔

وہ اسے منہ چڑاتے ہوئے باہر چلا گیا۔

شہباز ماموں اپنی پوری فیملی کے ہمراہ کل رات کو ہی پہنچے تھے۔

وہ عائشہ اور عاشر کی شادی کی ڈیٹ فیکس کرنے آئے تھے۔

شہباز صاحب کے چار بچے تھے۔

سب سے بڑا بیٹا شاہزیب شادی شدہ اور دو بیٹوں کا باپ تھا۔

اس سے چھوٹی جیا جو عاشر جبکہ اس سے چھوٹا جہانزیب جو کہ عائشہ سے منسوب تھا۔

سب سے چھوٹا شاہ زر تھا جو اب تک پڑھائی میں مصروف تھا۔

گھر میں خاصی رونق کا سا سما تھا۔

سب محفل لگائے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

اب تو بس میں اپنی دیورانی کو لے ہی جاوں گی۔

صباحت نے پیار سے عاشی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

کیا مطلب عرشی چونکی۔

اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔

ایک لے کے جائیں گے تو ایک دے بھی تو جائیں گے۔

صباحت نے شرارت سے جیا کو دیکھا۔

جیا نے مسکراتے ہوئے چہرہ جھکا لیا۔

آپ لوگ ڈیٹ فیکس کرنے آئے ہیں کیا۔

عرشی نے حیرت سے انھیں دیکھا۔

تم اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو۔

سمیر نے اس کی حیرت دیکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

مطلب مجھے کسی نے نہیں بتایا سب کو پتہ تھا۔

میں اوور ری ایکٹ۔۔نہیں کر رہی۔

وہ اب سمیر کو دیکھ رہی تھی۔

ایک تو مجھے تمہاری سمجھ نہیں آتی۔

خوش ہونے والی بات پہ بھی منہ بنا لیتی ہو۔

سمیر نے اسے تاسف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

لڑکیاں منہ بنانے میں ایکسپرٹ ہوتی ہیں۔

شاہ زز نے لقمہ دیا۔

میں منہ نہیں بنا رہی عاشی آپی کے جانے کا سوچ کے سیڈ ہو رہی ہوں۔

کوئی نہیں حوصلہ رکھو کچھ عرصے تک تم بھی وداع ہو جاو گی۔

سمیر اسکے سر پہ ہاتھ پھرتے ہوئے اسے حوصلہ دے رہا تھا۔

میں نہیں ہونے والی وداع عرشی نے اسکا ہاتھ جھٹکا۔

کیوں ساری عمر جیا کی جان جلانے کا پروگرام ہے۔

سمیر اب اس سے اسکا ارادہ پوچھ رہا تھا۔

جی نہیں وہ اسے گھورتے ہوئی بولی۔

تو لڑکا بیاہ کہ گھر لاو گی کیا۔

سمیر ہنستے ہوئے بولا۔

تم سے مطلب ہر بات میں گھسنا فرض سمجھا ہوا ہے تم نے۔

وہ اب اس سے الجھنے لگی۔

نہیں میں سوچ رہا تھا کون بیچارہ ہو گا جس کی قسمت میں تم ہو۔

سمیر نے عرشی کو دیکھتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔

جی نہیں بہت خوش قسمت ہو گا جس کی قسمت میں عریشہ سبحان ہو گی۔

وہ اترا کر بولی۔

ہاں یہ تو ہے اسکے پاوں پکڑنے پڑیں گے کہ پلیز اس آفت سے شادی کر لو۔

سمیر شاہ زر کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر ہنسا۔

ہماری ساری ہمدردیاں اس معصوم کے ساتھ ہیں۔

شاہ زر نے بھی سمیر کا بھرپور ساتھ دیا۔

میرے والے کے تو چلو پیر پکڑنے پڑیں گے۔

وہ مان جائے گا۔

تمہیں کسی نے لڑکی ہی نہیں دینی۔

دے دی تو لڑکی کے ساتھ ساتھ اس کے ماں باپ کے بھی پیر پکڑنے پڑیں گے۔

اور ہر روز تمہارے پورے سسرال کو ایک معافی نامہ لکھنا پڑے گا کہ ہم مجبور تھے۔

اب کے جیاصباحت کے ساتھ عاشی بھی ہنس پڑی۔

یہ سب آپس میں ہی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچ رہے تھے۔

جب سبحان احمد نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

سب نے ایک ساتھ مڑ کر انھیں دیکھا۔

ارے بھائی سب کو مبارک ہو اگست کی سات تاریخ طے پائی ہے اللہ ہمارے بچوں کے نصیب اچھے کرے۔

ابا اگست میں اتنی گرمی ہوتی ہے مجھے یہ ڈیٹ پسند نہیں آئی۔

سب سے پہلا عتراض لے کر عرشی کھڑی ہوئی۔

بیٹا یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔

سبحان احمد نے اسے سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی۔

پر مجھے اگست پہ عتراض ہے۔

وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔

سبحان احمد کے فیصلے سے انکار کی امید صرف عرشی سے کی جا سکتی تھی۔

ابھی تم اتنی بڑی نہیں ہوئی کہ ہم اتنے بڑے بڑے فیصلے تم سے پوچھ کر کریں۔

اماں نے اسے ٹھیک ٹھاک گھور کر دیکھا تھا۔

تبھی وہ خاموشی سے واپس بیٹھ گئی۔

آگیا مزہ

سمیر نے جلتی پہ تیل کا کام کیا۔

عرشی ادھر آو میرے پاس۔

سبحان احمد کے بلانے پہ وہ اٹھ کر ان کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

تمہارے حساب سے کونسی ڈیٹ ٹھیک رہے گی۔

سبحان احمد اسے اپنے پاس بیٹھاتے ہوئے بولے۔

نومبر کی سات ٹھیک ہے وہ اپنے ہاتھوں کو گھورتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

چلو پھر نومبر کی سات تاریخ فائنل کر لیتے ہیں۔

کیوں شہباز آپ کو کوئی اعتراض۔

شہباز صاحب نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

اچھا اب سب کا منہ میٹھا کرواو۔

سبحان احمد نے عرشی کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھرتے ہو کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اپ بھی اس کی ہر بات کو ماننا فرض سمجھ لیتے ہیں۔

شاہدہ بیگم خفگی سے بولیں۔

تم تو جانتی ہو میں عرشی کی بات کو نہ نہیں کہ سکتا۔

اور اگر بات نہ مانتا تو اسنے شادی تک ناراض رہنا تھا۔

انھوں نے محبت سے عرشی کو دیکھا۔

ایسا نہ ہو عرشی کے ابا کہ کسی دن وہ اسی مان سے آپ سے کوئی ایسی فرمائش کر دے جو آپ پوری نہ کر سکیں۔

شاہدہ بیگم انھیں سمجھاتے ہوئے بولیں۔

میں اپنی بیٹی کی ہر فرمائش اور خواہش پوری کرنے کی کوشش کروں گا جو میرے بس میں ہوئی۔

باقی اللہ میرے بچوں کے نصیب اچھے کرے۔

آمین شاہدہ بیگم نے صدق دل سے آمین کہا۔

عصر کا وقت ہو گیا ہے میں نماز کے لے جا رہا ہوں۔

وہ شاہدہ بیگم سے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔۔۔۔

اور نماز کے لیے چل دیئے پیچھے خواتین میں اب کپڑے ڈسکس ہو رہے تھے اور مرد حضرات حالات حاضرہ پہ تبصرہ فرما رہے۔

ایک ہفتے کے قیام کے بعد شہباز صاحب اپنی پوری فیملی کے ہمراہ واپس چلے گئے تھے۔

اور سمیر بھی اسی دن حیدرآباد کے لیے نکل گیا تھا۔

پورا گھر اچانک خالی ہو گیا۔

شادی کی تاریخ طے ہوتے ہی اماں کو عاشی کے جہیز اور جیا کی بری کی فکر لگ گئی تھی۔

وہ سارا سارا دن بیٹھی شگفتہ بیگم کے ساتھ تیاریاں ڈسکس کرتی رہتی۔

عاشی کو گھر کے کاموں اور عاشر بھائی کو اپنی جاب سے فرصت نہیں تھی۔

رمشا بھی ایک ہفتے کا کہہ کر نہی آئی تھی اسکی نانو ہاسپٹل لائزڈ تھیں۔۔

ایک بار بات ہوئی تھی پر کل سے وہ کل رسیو نہیں کر رہی تھی۔

ردا کو سمیر سے فرصت نہیں تھی۔

اور عرشی کی زیادہ لڑکیوں سے دوستی نہیں تھی۔

ایسے میں عرشی بس بور ہی ہو سکتی تھی۔

سمیر گھر پہ ہوتا تو اس سے لڑتی اب نہیں تھا تو وہ بری طرح اسے مس کر رہی تھی۔

چلو اس کو کال کرتے نہیں پہنچ کے بندہ گھر اطلاع ہی دے دیتا ہے۔

اسنے سوچتے ہوئے سمیر کا نمبر ڈائل کیا۔

دو تین بیلز کے بعد کال رسیو کر لی گی تھی۔

زہے نصیب عریشہ سبحان نے مجھے فون کیا ہے۔

سمیر نے عرشی کا نمبر دیکھ کر کال پک کی۔

اور شوخی سے بولا۔

کیوں تمہارے نمبر پہ میں کال نہیں کر سکتی۔

وہ مسکرائی۔

نہیں کبھی کی نہیں تو۔۔۔

تو کیا کر بھی نہیں سکتی۔

نہیں کر سکتی ہو اب تو کرو گی۔

اب نہیں ہوں نہ گھر تو ایک ہی دن میں تمہیں میری قدر بھی ہوئی اور تم مجھے مس بھی کرنے لگی۔

وہ اتر کر بولا۔

میں اور تمہاری قدر۔

اور سب سے بڑھ کر تمہیں مس بھول ہے تمہاری۔

میں نے تو صرف یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ۔

تمہارے بنا گھر میں بہت سکون ہے۔

اگر ہو سکے تو کچھ دن اور رک جانا۔

عرشی کو اس کے اندازہ سہی ہونے پہ ہنسی آئی پر وہ اتنی آسانی سے تھوڑی ماننے والی تھی۔

اچھا تو تمہیں گھر پر سکون لگ رہا چلو انجوائے کر لو پھر تو میں نے واپس آ ہی جانا ہے۔

وہ چڑ کر بولا۔

اور نہیں تو کیا اتنے مزے کے شب و روز گز رہے ہیں آجکل مجھے غصہ دلانے والا جو کوئی نہیں ہے۔

وہ اب مزے سے بیٹھی اسے تپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کا جواب میں تمہیں بعد میں دوں گا مجھے رحیم بلا رہا ہے۔

سمیر عجلت میں کہتا چلا گیا۔

میرے لیے کسی کے پاس ٹائم نہیں ہے۔

اسنے موبائل کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

_____"""""""""""_____"""""""""_____"""""""""_____

"""""_____"""""""""_____

آئے تو یوں جیسے ہمیشہ تھے مہرباں
بھولے تو یوں کہ گویا کبھی آشنا نہ تھے۔

عرشی نے شعر پڑھا۔

یہ تو سیدھا طعنہ معلوم ہو رہا تھا۔

پر عرشی کو لفظ آشنا پہ اعتراض ہوا۔

اسی نمبر سے اب نیا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

اب وہاں سے آئے روز پوئٹری کے میسج آتے اور عرشی اس بندے کے ذوق کو داد دیئے بغیر نہ رہ پاتی۔

بوریت ختم کرنے کے لئے عرشی نے اس سے بات کرنا شروع کر دی۔

باقی سب تو ٹھیک ہے پر لفظ آشنا پہ مجھے عتراض ہے ہم کب آشنا ہیں اور ہم جانتے ہی کیا ہیں ایک دوسرے کے نام کے سوا۔

آپ بات تو کریں جان جائیں گے سب۔

عرشی نے بنا سوچے اب اس سے بات کرنا شروع کر دیا تھا۔

اور آہستہ آہستہ وہ بات کرنا اب دوستی میں بدل گیا تھا۔

محض ایک ایسی دوستی جو آپ ایک لمیٹ تک رکھتے ہو۔

عرشی کو اسکی باتوں سے وہ شریف لگا تھا۔

دوبارہ اسنے ایسی کوئی بات نہیں کی۔

جو عرشی کو ناگوار گزرتی۔

ان میں باتیں یا تو عاشق کے آفس کی ہوتیں یا اسکے دوستوں کے قصے۔

اور عرشی کے پاس اسے سنانے کے لیے اپنے اور سمیر کے قصے ہی کافی تھے۔

اور وہ قصے اسے ماہ گل اور عمر کے نام سے سنائے جاتے

اس اچانک کے دو بار کے بعد ان کی کبھی دوبارہ کال پہ بات نہیں ہوئی۔

عاشق کے اسرار پہ بھی نہیں۔

وہ ہر بار اسکا نام لکھتے ہوئے ہنستی اور کہتی کہ اپ کا نام یقین کوئی اور ہے پر وہ ہنس کے ٹال دیتا۔

اس ایک ہفتے میں روز بات کرنا جیسے ان کا معمول بن گیا تھا۔۔۔۔۔

اور یہیں سب سے بڑی غلطی سرزد ہوئی تھی عرشی سے۔۔۔۔

یا شاید دونوں سے۔

انجانے میں۔۔۔۔

جو چیز انسان کو نارمل لگتی ہے وہ کبھی کبھی بہت گہرا اثر چھوڑ دیتی ہے آپکی زندگی پہ۔۔۔۔۔۔

اور ساری زندگی اسکا خمیازہ آپکو نہ چاہتے ہئے بھی بھگتنا پڑتا ہے

اسکی آنکھ موبائل کی رنگ ٹیون سے کھلی تھی۔

عرشی نے ادھ کھلی آنکھوں سے موبائل کی سکرین کو دیکھا۔

نمبر رمشا کا تھا سو فورا کال رسیو کی۔

ہیلو عرشی کیسی ہو۔

رمشا کی کھکھلاتی آوز نے اسے پوری آنکھیں کھولنے پہ مجبور کیا۔

میں تو ٹھیک ہوں تمہارے بڑے دانت نکل رہے ہیں صبح صبح سب خیر ہے نہ محترمہ۔

عرشی انگڑائی لیتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

میڈم ساڑھے گیارہ بجے کونسی سی صبح ہوتی ہے۔

یا تو رات ہوتی ہے یا دوپہر ہونے والی ہوتی ہے بہرحال صبح نہیں ہوتی۔

رمشا اپنا ہی فلسفہ جھاڑ رہی تھی۔

خیر میرے لیے تو صبح ہی ہے۔

تم بتاو کب واپس آ رہی ہو۔

عرشی اب ایک بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے۔

ایک ہاتھ سے موبائل کان سے لگائے بیٹھی خود کو زبردستی جگانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں واپس آ چکی ہوں اور کچھ دیر میں تمہارے گھر آنے والی ہوں سوچا اطلاع کر دوں۔

واو گڈ نیوز یار عرشی ایکساٹمنٹ سے سیدھی ہو بیٹھی۔

بس ابھی نکلنے لگی ہوں اور تمہیں کچھ بتانا ہے اور دیکھانا بھی ہے۔

رمشا نے سیینس اور بڑھایا۔

تمھیں پتہ ہے نہ سیینس سے نفرت ہے مجھے۔

عرشی نے منہ بنایا وہ جانتی تھی اب پوچھنا فضول ہے وہ آ کر ہی بتائے گی۔

آئی نو پر کال پہ مزہ نہیں آئے گا ڈئیر۔

رمشا عرشی کی حالت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے بولی۔

اوکے اب آ جاو یو نو ویٹ نہیں ہوتا مجھ سے۔

عرشی نے کہتے ہوئے کمرے پہ ایک طائرنہ نگاہ ڈالی۔

کمرہ عاشی کی نفاست کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

کہیں بھی کوئی بھی بےترتیبی نہیں تھی۔

عرشی اسے جلدی آنے کی تاکید کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ فریش ہو کر اب کچن میں عاشی کے سر پہ کھڑی تھی۔

آپی وہ کچھ کھانے کا انتظام کر لیں رمشا آ رہی ہے۔

عرشی نے فریج سے پانی نکالتے ہوئے۔

دوپہر کے کھانے کی تیاری کرتی عاشی کو مطلا کیا۔

اوکے میں کھانا بنا لوں گی باقی جو چاہیے سمیر سے کہہ کے بازار سے منگوا لو۔

عاشی مصرف انداز میں بولی۔

سمیر کب آیا۔

اسنے پانی کا گلاس ہونٹوں سے جدا کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔

کل رات کو آیا تھا۔

یعنی صبح چار بجے۔

عاشی نے چولہا جلاتے ہوئے اسے جواب دیا۔

وہ اثبات میں سر ہاتی وہاں سے چلی گئی۔

اس وقت سمیر سے الجھنا بے کار تھا۔۔

سو۔۔۔۔۔

عرشی رمشا کے انتظار میں جلے پیر کی بلی بنی یہاں سے وہاں چکر لگا رہی تھی۔

کوئی ڈیڑھ گھنٹے کے بعد رمشا آئی تھی۔

بہت جلدی نہیں آ گی تم۔

رمشا سے گلے ملتے ہوئے عرشی نے طنز کیا۔

ہاں میں بھی یہ ہی سوچ رہی تھی۔

رمشا اس سے الگ ہوتے ہوئے بولی۔

شرم تو تمہیں آنی نہیں ہے۔

عرشی نے اسے مصنوئی خفگی سے گھورا۔

وہ کیا ہوتی ہے۔

رمشا نے معصوم شکل بنائی۔

وہ تیری سمجھ سے باہر کی باتیں ہیں۔

عرشی نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں ایک ساتھ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

رمشا اور عرشی کا بہت کم ایک دوسر کے گھر جانا ہوتا۔

اور جب جاتیں تو واپس آنے کا دل نہ چاہتا۔

:-------:"""""":--------:"""""":------:"""""":--------:

:"""""":-------:"""""":-----

عرشی رمشا کو لے کر اب اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔

دونوں اب اگلے پچھلے دنوں نہ ہونے والی گفتگو کی کسر پوری کرنے میں مصروف تھیں۔

اچھا بتاو وہ بات جس کے سسپینس سے میری جان جانے کے قریب ہے۔

عرشی کو اچانک یاد آیا۔

سو اب وہ اسکی طرف چہرہ موڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بات دراصل یہ ہے کہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں بتا نہیں سکی۔

رمشا نے گلا کھنکھارتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

تمہید ہوگی اب آگے۔

عرشی نے آنکھیں پٹپائیں۔

رمشا نے ایک نظر عرشی کو دیکھا پھر تصور میں اسکے رد عمل کو سوچا اور ہمت کر کے بات مکمل کر دی۔

راحیل سے میری منگنی ہو گی۔

رمشا نے میدان مار لیا تھا۔

عرشی حیرت سے بت بنی اسے دیکھتی رہی۔

بس یار نانو کی طبیعت کی وجہ سے یہ سب اتنی جلدی کرنا پڑا کہ کچھ سمجھ ہی نہیں آیا۔

اور جب دس منٹ تک مسلسل گھورنے کے بعد بھی عرشی نہیں بولی تو رمشا نے اپنی صفائی دی۔

یہ وہ ہی راحیل ہے جو لمبو تھا اور جس سے گھر کے جالے صاف کروائے جا سکتے تھے۔

یہ وہی ہے نہ جسکا چشمہ اس کے منہ سے بڑا ہوتا ہے۔

یہ وہی ہے جس کو ڈریسنگ سینس نہیں۔

اور اگر کہیں ڈنر پہ جائے تو فورک سپون چوڑ کر ہاتھ سے کھانے لگتا ہے۔۔

اگر میں غلط نہیں ہوں تو یہ وہی ہے۔۔۔۔

جس کی شکل دیکھنے کی تم روادار نہیں تھیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو تم مجھے بتاتی رہی ہو۔

اور تم نے اتنے آرام سے منگنی کر لی۔

اور اب تم اوپر سے مسکرا بھی رہی ہو۔

عرشی کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہنسے یا روئے۔

رمشا اب مسلسل مسکرائے جا رہی تھی۔

خیر جب تم اتنی خوش ہو تو میں کیا بولوں۔

عرشی نے رمشا کو دیکھتے ہوئے آہ بھری۔

یار تصویریں دیکھوں پھر فیصلہ کرنا۔

رمشا نے اپنی ہنسی کو بریک لگاتے ہوئے اپنے بیگ سے تصویریں نکالیں اور اسکے سامنے کر دیں۔

عرشی نے جلدی سے پکڑتے ہوئے پیکٹ کھولا۔

ایک دو تین ہر آنے والی نئی تصویر پہ عرشی کا منہ کھلتا جا رہا تھا۔

لعنت ہو تم پر رمشا کیسا خاکہ بنایا تھا تم نے راحیل کا۔

میرے تصور میں ہمیشہ ایک دبلا پتلا لڑکا بڑی سی عینک لگائے۔

اپنی ویسٹ سے زیادہ بڑی پینٹ پہنے ایک ہاتھ سے اپنا چشمہ درست کرتے دوسرے ہاتھ سے اپنی لال رنگ کی پینٹ اور ہری ٹی شرٹ درست کرتے۔

عرشی نے بات کرتے ہوئے جھرجھری لی۔

اور ہاتھ مین پکڑی تصویر اپنی آنکھوں کے سامنے کی۔

یہ تو کسی ناول کے ہیرو سے کم نہیں۔۔۔

کیا برائی ہے ان میں غضب خدا کا کتنی مبالغہ آرائی کرتی رہی ہو تم مجھ سے۔

عرشی نے رمشا کے کندھے پہ ایک دھپ رسید کیا۔

یار یہ تو پرانی باتیں ہیں۔

رمشا اپنا کندھا سہلاتے ہوئے بولی۔

ہاں بھئی اب تو دیکھنے کا نظریہ بدل گیا ہے نہ۔

اچھا کب سے پک رہی تھی پھر یہ کچھڑی۔۔۔

اور کرتے کیا ہیں دولہا بھائی۔

عرشی باقی تصویریں دیکھتے ہوئے ساتھ ساتھ سب کا پوچھتی بھی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر بن رہے ہیں نانو نے کہا کہ شادی کر لو انھوں نے میرا نام لے دیا۔

رمشا نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

اللہ رے انھوں نے اور لو میرج واہ بھئی واہ۔

عرشی نے شرارت سے کہتے ہوئے اسے ٹہکا دیا۔

وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔

یہ کون ہیں۔۔۔

عرشی نے ایک تصویر پہ رکتے ہوئے رمشا سے پوچھا۔

یہ میرے پھوپھو کے اکلوتے صاحب زادے ہیں۔

رمشا نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے لگتا ہے میں نے انہیں پہلے کہیں دیکھا ہے کہاں یہ یاد نہیں اگر تصویر سامنے سے ہوتی میں ضرور پہچان لیتی۔

عرشی نے تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کی۔

ہاں یار یہ بلکل اینڈ میں پہنچے تھے تو انکی ایک بھی تصویر نہیں ہے ایونٹ اینڈ ہو چکا تھا تب۔

یہ سائیڈ پوز بھی پتہ نہیں کیسے کیپچر ہو گیا

ہاں کل آئیں گے یہ بھی تم دیکھنا ہو سکتا ہے یاد آ جائے۔

عرشی نے اثبات میں سر ہلایا۔

کل۔۔۔۔میں کیسے دیکھوں گی کہاں آ رہے ہیں وہ۔۔۔۔

عرشی چونکی۔۔۔۔

کل کے لیے ہی تو انوئٹ کرنے آئی ہوں۔۔

کل کیا ہے عرشی نے رمشا کو حیرت سے دیکھا۔

کل برتھ ڈے ہے میرا اور مما بابا نے میری انگیجمنٹ اناونس کرنی ہے تو پارٹی ہے تمہارے بغیر تو کبھی نہ کرتی۔

رمشا نے پیار سے اپنے بازو اسکی گردن کے گرد حمائل کئے۔

رہنے دو اب انگلی کٹوا کر شہدوں میں نام لکھوانے کا فائدہ۔

عرشی نے اسے مصنوعی خفگی سے دیکھا۔

اچھا نام کیا ہے ویسے ان کا۔

عرشی کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی تھی۔

کھانا ریڈی ہے عاشی نے آ کر انھیں اطلاع دی۔۔

تو وہ دنوں اپنی گفتگو کو ختم کرتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کھانا خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔

ایک بھرپور دن گزار کر رمشا واپس چلی گئی۔

مگر وہ ان سب کو آنے کی تاکید کرنا نہیں بھولی تھی۔

عرشی نے کراچی ایئر پورٹ سے گھر تک کا سفر بھی اکیلے ہی طے کیا تھا۔۔

اماں اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئیں تھیں۔

وہ بار بار اپنی حیرت کا اظہار بھی کر رہیں تھیں۔

وہ سبحان احمد سے ملی انکی آنکھوں میں آنسو تھے ندامت کے آنسو۔۔۔

وہ یہ کیسے برداشت کرتی تڑپ کے ان کے گلے لگی اور رو دی۔

وہ بھی روتے جاتے اور اسے چپ کروانے کی کوشش کرتے۔

مجھے معاف کردو عرشی۔۔۔

انھوں نے اسکے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے آنسوؤں سے بھیگی آواز میں کہا۔۔۔

ابا ایسا مت کہیں۔۔

بہر حال غلطی میری ہی تھی۔

عرشی نے انکا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما۔۔

میں کون ہوتا تھا تمہیں سزا دینے والا میں نے ٹھیک ہی تو نہیں کیا اپنی بیٹی کو سمجھ ہی نہیں پایا۔۔

ان کے آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

دس سال کا غبار تھا۔۔

بہہ جاتا تو اچھا تھا۔

ابا کوئی سزا نہیں تھی سب ٹھیک ہے آپ پلیز آپریشن کے لیے مان جائیں۔۔۔۔۔

تم آ گی ہو جو کہو گی وہی ہو گا۔

ابا نے پیار سے اسکے ماتھے پہ بوسہ دیا۔۔

عریشہ کو لگا جیسے وہ جلتی ہوئی دھوپ سے ٹھنڈی چھاوں میں آ گئی ہو۔۔۔

کتنے عرصے بعد اسنے اس لمس کو محسوس کیا تھا۔۔۔

اسے لگا اسکے سارے غم مٹ گئے ہوں۔۔۔

_____"""""_____"""""_____"""""_____"""""____

__"""""_____"""""_____"""

عرشی کا کراچی میں آج ساتواں دن تھا۔۔۔

اور یہ معمول بھی سات دن سے مسلسل جاری تھا۔۔۔

ایک انجان نمبر سے کبھی کیڑے کھاتی ہوئی لڑکی کی ویڈیو تو کبھی چھپکلی کی تصویریں اور اسی طرح لال بیگ اور سبھی فضول ویڈیوز جن سے عریشہ کو بہت کراہیت محسوس ہوتی۔

موصول ہوتی رہتیں۔۔

مگر دانی ان وڈیوز اور پکس کو بڑی دلچسپی سے دیکھتا۔

نمبر پاکستان کا نہیں تھا کہاں کا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔

یہ کون ہے جو بڑی دلجمعی سے ایسا فضول سامان سینڈ کرتا ہے۔

عریشہ نے ایک بار اس سے بات کرنے کا سوچا اور پھر سوچا کہ بلاک کر دے پھر وہ یہ سوچ کر رک گی کہ جو مزہ اگنور کرنے میں بلاک کرنے میں نہیں۔۔

اب بھی وہ اپنی پسندیدہ اور مخصوص جگہ یعنی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔۔۔

جیسے جیسے رات ہو رہی تھی خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔۔

مگر اسے ایک عجیب اداسی نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

اسے وہ سب شرارتیں یاد انے لگیں جو وہ اور سمیر کرتے تھے۔

سمیر۔۔۔

اسنے ہولے سے اسکا نام پکارا۔

وہ بہت دور تھا وہ کیسے سن سکتا تھا۔

ایک آنسو ٹوٹ کر اسکے ہاتھ پہ گرا۔

اسنے حیرت سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

وہ رو رہی تھی۔۔۔۔

یادیں گڈ مڈ ہونے لگیں تھیں۔

اسے اس گھر میں بسنے والے سارے کردار اپنی آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے دیکھائی دینے لگے۔۔

عرشی تم صبح شام نہ کم سے کم دس سے بیس چکر لگایا کرو سیڑھیوں کے۔۔

اوپر نیچے

وہ دونوں صحن میں رکھے پودوں کے پاس کھڑے انھیں پانی دے رہے تھے۔۔۔

سمیر کام کم کر رہا تھا عرشی کو تنگ زیادہ۔

کس خوشی میں عرشی نے پانی کا پائپ لگا رکھا تھا اور باری باری سارے پودوں کو پانی دے رہی تھی۔

موٹی ہوتی جا رہی ہو کم کھایا کرو۔

وہ گملوں کے پاس بیٹھا ان کی نشونما کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

ہائے اللہ میں موٹی کب ہوں۔۔۔

عرشی نے حیرت سے ایک نظر خود کو اور ایک نظر دانت نکالتے سمیر کو دیکھا۔۔

ویسے بھی لڑکیوں کو تھوڑا ہیلدی ہونا چاہیے یہ نہ ہو کہ لوگ سمجھیں کہ فاقے کر کر کے یہ حال ہو گیا بے چاری

وہ اسکی شرارت سمجھ گئی تھی۔۔۔

اسے فاقہ نہیں ڈائٹنگ کہتے ہیں اس سے بندہ فٹ ہوتا ہے۔۔۔

وہ مرجھائے ہوئے مردہ پتوں کی کانٹ چھانٹ میں مصرف تھا۔

جو بھی ہو میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔۔۔

عرشی نے بات کرتے ہوئے ایک نظر پائپ کو اور ایک نظر سمیر کا دیکھا۔۔۔

سمیر اپنے کام میں مصروف تھا عرشی کو شرارت سوجھی اور اسنے پائپ کا رخ سمیر کی طرف کر دیا۔۔۔

اور پھر وہاں جو ہوا۔۔۔

وہ دونوں ایک دوسرے پہ پانی پھنک رہے تھے کہیں سے وہ بچوں سے کم نہیں لگ رہے تھے۔۔۔

اور سارے بکھروائے کی سزا میں اماں نے سر پہ کھڑے ہو کر صفائی کروائی تھی۔۔

کیسے صفائی نہ کی جاتی دھمکی ہی اتنی جاندار تھی۔

صفائی نہ کرنے کی صورت میں پودوں کو اٹھا کر باہر پھنک دیا جاتا۔

سارا منظر یاد آنے پر

وہ ہولے سے مسکرا دی۔۔

اسنے ایک نظر صحن میں اس جگہ دیکھا جہاں پودے رکھے جاتے تھے۔

وہاں اب پودے نہیں تھے۔

اور آنسو تھے کہ مسلسل بہتے جا رہے تھے۔۔

اسکی محویت کو میسج ٹیون نے توڑا تھا۔۔۔

اسنے آنسو صاف کرتے ہوئے موبائل چیک کیا سامنے داود کا نام جگمگا رہا تھا۔

اسنے میسج اوپن کیا۔

نہ جانے کیسے سہولت سے سہہ لیا اُس نے

اُسے تو ہجر کی باتیں عذاب لگتی تھا۔۔۔

)شاعر : زین شکیل(

عرشی کتنی دیر اس شعر کو خاموشی سے دیکھتی رہی۔

وہ جب سے یہاں آئی تھی۔

اسکی داود سے بات نہیں ہوئی تھی۔

اسنے جب جب کال کی صرف بچوں سے بات ہو سکی۔۔۔

عریشہ کبھی مصروف ہوتی کبھی جان بوجھ کے اگنور کر دیتی۔

پر وہ میسج کرنا نہیں بھولتا تھا۔

پر عریشہ انکا بھی جواب نہیں دیتی تھی۔۔۔۔۔۔

اسے بیٹھے بیٹھے جگر مراد آبادی کا ایک شعر یاد آیا تھا۔

بچھڑا تھا جس غرور سے وہ بھی تو یاد کر

آنکھوں میں تیری آج یہ آنسو فضول ہیں

)جگر مراد آبادی(

اسنے ٹائپ کیا اور سینڈ کر کے بنا کسی جواب کا انتظار کئے اٹھ کر کمرے کی جانب بڑھ گی۔۔۔

___€€€€€€_^^^^^^^^__^^^^^^^^^^_____^^

داود احمد نے سکرین پہ عریشہ کا نام جگمگاتے ہوئے حیرت سے دیکھا۔۔۔

اتنے دنوں میں یہ اسکا پہلا رپائی تھا۔

اسنے خوشی سے میسج اوپن کیا۔۔

بچھڑا تھا جس غرور سے وہ بھی تو یاد کر

آنکھوں میں تیری آج یہ آنسو فضول ہیں

)جگر مراد آبادی(

اسنے حیرت اور دکھ سے ملے جلے جذبات سے اس شعر کو پڑھا۔۔۔

چلو چپ تو ٹوٹی۔۔۔

داود نے خود کو تسلی دی مگر اچانک ہی اسکا دل کام سے اچاٹ ہوا تھا۔

اسنے اپنے سامنے رکھی فائل کو بند کیا اور گھر کے لیے نکل گیا۔۔۔

سارا راستہ وہ عریشہ کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

وہ اتنا زیادہ ایشو اب کس بات کو بنا رہی ہے۔۔

اب سے پہلے تو کبھی غلط بات پہ بھی ری ایکٹ نہیں کرتی تھی یہ اچانک ہوا کیا ہے۔۔۔۔

جب وہ خاموش تھی تو ایک بار بھی تم نے اس کے دکھ تکلیف کے بارے میں سوچا اب جب وہ اپنے ہونے کا احساس دلا رہی ہے تو تم اس کے سوا کسی اور کے بارے میں سوچ ہی نہیں پا رہے ہو۔۔۔

کہاں گی تمہاری نام نہاد محبت جس کے لیے تم نے اتنے سال اسے اذیت میں رکھا۔۔

اور وہ پاگل لڑکی اپنے اذیت دینے والے سے ہی محبت کر بیٹھی۔

داود احمد محبت اختیاری جذبہ نہیں یہ ٹھیک ہے۔اگر ہوتا تو عریشہ تم جیسے شخص سے کبھی محبت نہ کرتی۔

مگر تم اپنی محبت کے نہ ملنے کی سزا اسے دینے کا کیا حق رکھتے ہو۔

کیا سزا اور جزا کا فیصلہ کرنے کے لیے اللہ تعالی کی ذات موجود نہیں ہے۔

داود احمد سراب کو محبت کا نام مت دو۔

تم کیا جانوں محبت کیا ہوتی ہے۔۔۔۔

محبت کیا ہوتی ہے کیسے کی جاتی ہے کیسے نبھائی جاتی ہے عریشہ سبحان سے سیکھو۔۔۔

اسکا ضمیر مرا نہیں تھا آج زندہ ہو کہ بول اٹھا تھا۔

داود احمد سے اب مزید کچھ سننا محال ہو گیا تھا

اسنے بریک پہ پیر رکھا۔

ٹائروں کی زوردار چرچراہٹ کے بعد گاڑی رک گئی تھی۔

پورے لاہور کو دھند نے شام ڈھلے ہی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔

اسکا دماغ اب شل ہو چکا تھا ان سوچوں سے۔۔۔

وہ گاڑی ایک سائیڈ پہ روکتے ہوئے نیچے اترا اور سڑک پہ یونہی بے مقصد چلنے لگا۔

بنہ کسی گرم جیکٹ کے اسے جو احساس اس وقت گھیرے ہوئے تھا وہ ٹھنڈ سے زیادہ خطرناک اور اذیت ناک تھا۔

وہ گھر کے لیے نکلا تھا پر گھر پہ کوئی انتظار کرنے والا ہی نہیں تھا۔

اسے اچانک عریشہ کے کراچی جانے سے ایک رات پہلے اسکا انتظار کرتی عریشہ یار آئی۔

دل پہ کسی نے بہت کارا وار کیا تھا۔

اسنے بلا وجہ کتنا انتظار کروایا تھا اسے۔

داود کا دل چاہا کہ وہ مر جائے۔۔۔

احساس ندامت اب بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ اپنا سر ہاتھوں میں تھامتے ہوئے وہیں فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا۔

اسکی آنکھ شدید گھٹن کے احساس سے کھلی تھی۔۔۔

اسے ایسا لگا جسے کوئی اسکا گلہ دبا رہا تھا۔۔۔

وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔۔۔

اور پھر۔۔۔۔۔

بہت کوشش کے باوجود بھی وہ سو نہیں پارئی تھی۔

وہ کمبل ہٹاتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔۔

عریشہ نے پاس لیٹے گہری نیند سوئے اپنے دونوں بچوں کا دیکھا۔۔

اور انکا کمبل سیٹ کرتے ہوئے

اٹھ کر کمرے سے باہر آ گی۔

باہر پورامنظر دھند کی لپیٹ میں تھا۔

اسنے ٹائم دیکھا رات کے تین بج رہے تھے

عریشہ کی بے چینی اب حد سے سوا تھی۔

بے چینی کا کوئی سبب بھی تو ہو۔

کوئی سبب نہیں تھا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

وہ سیڑھیوں پہ جا کر بیٹھ گی۔

رات کے اس پہر ٹھنڈ کافی زیادہ ہوتی تھی۔

پر اسے آجکل کچھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔

اسنے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

جہاں چودھویں کا چاند بھی اپنی پوری کوشش کے باوجود دھند کی لپیٹ سے نکل نہیں پا رہا تھا۔

روز تاروں کی نمائش میں خلل پڑتا ہے۔

چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے۔

اسے آچانک کہیں پڑھا ہو شعر یاد آیا۔

وہ یوں ہی کافی دیر اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپائے بیٹھی رہی۔

پتہ نہیں اسے بار بار داود کا خیال آرہا تھا۔

اسنے اسے کال کرنے کا بھی سوچا تھا پر پھر وہ نمبر ملاتے ملاتے رک گئی۔

اور اٹھ کر واپس کمرے میں چلی گی سردیوں کی لمبی راتیں صبح ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔

وہ تہجد کے لیے وضو کرنے چل دی۔۔۔۔

_____€€€€€€_____€€€€€€_____

وہ کافی دیر یوں ہی سر جھکائے فٹ پاتھ پر بیٹھا رہا تھا۔۔

اور پھر خالی آنکھوں سے آتے جاتے لوگوں اور ٹریفک کو دیکھتا رہا اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ گھر کے لیے نکل گیا تھا۔

گاڑی کا ہارن سن کر گل خان نے فورا گیٹ کھولا تھا۔

وہ گاڑی گیراج میں کھڑی کرتے ہوئے اندر کی جانب بڑھا۔

اپنے کمرے میں آ کر بنا لائٹس آن کیے بیڈ پر اندھے منہ لیٹ گیا۔

وہ چینج کرنا چاہتا تھا اپنے اوپر کمبل اوڑھنا چاہتا تھا۔

مگر اسے اپنے جسم میں بے تحاشہ درد محسوس ہو رہا تھا۔

اسنے خود کو اٹھانے کی کوشش کی تھی پر ناکام رہا تھا۔

سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے اسے عریشہ کا خیال آیا۔

وہ ہوتی تو اس وقت وہ یوں محتاجی کا شکار نہ ہوتا۔

اور پھر اسے اپنا ذہین تاریکی میں ڈبتا ہوا محسوس ہوا۔۔۔۔۔

^^^^ ^^^^ ^^^^^ ^^^^^

صفیہ نے اوندھے منہ لیٹے داود کو دیکھا بنا کسی کمبل کے جوتے پہنے ہوئے وہ یوں بے سدھ سو رہا تھا۔

اسنے اگے بڑھ کر اسے دو سے تین بار آواز دی تھی پر وہ ہلا تک نہیں۔

صفیہ نے منہ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی چیخ کا گلا گھونٹا۔۔۔

اور گل خان کو بلانے بھاگی۔۔۔

گل خان صفیہ کی اطلاع اور حواس باختگی دیکھتے ہوئے تقریبا بھاگتے ہوئے داود احمد کے کمرے تک آیا تھا۔

گل خان نے جسے تیسے داود کو کھینچتے ہوئے سیدھا کیا۔۔

عریشہ بی بی کو فون کرو۔۔۔

گل خان نے پریشانی کے عالم میں صفیہ سے کہا۔۔۔

ان سے کیا کہوں بابا۔۔

صفیہ نے کانپتی آواز میں پوچھا۔۔۔

گل خان نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے اور پھر خاموش ہو گیا۔۔۔

____☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆____

صفیہ کو نہیں پتہ تھا کہ وہ عریشہ سے کیا کہے گی پر وہ اسے مسلسل کال کر رہی تھی۔۔۔۔۔

عریشہ رات بھر ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔

اور اب کچن میں ابا کے لیے سوپ بنا رہی تھی۔۔۔

وہ سوپ بنا کر ٹرے ہاتھ میں لیے کچن سے نکل رہی تھی۔

جب مین گیٹ سے اندر داخل ہوتے دو شناسا چہرے اسے دیکھائی دیئے تھے۔۔۔۔

وہ ان کو آٹھ سال بعد دیکھ رہی تھی۔۔۔

اب وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آ رہے تھے۔۔

ٹرے عرشی کے ہاتھوں میں لرز گیا تھا۔۔۔

اس سے پہلے کہ وہ زمیں بوس ہوتا اسنے وہ ٹرے قریب رکھے ایک چھوٹے ٹیبل پہ رکھ دیا۔۔۔۔

وہ لوگ اب اسکے بلکل قریب آ گے تھے۔۔۔

ان میں سے ایک نفوس نے اسے فورا گلے لگایا تھا۔۔۔

اور پھر روتے ہوئے علیحدہ ہو گیا۔۔

وہ یونہی بت بنی کھڑی تھی۔۔۔

جس چیز کا گماں نہ ہو اور وہ ہو جائے حیرت تو پھر ایک فطری عمل ہے۔۔۔

جبکے دوسرے نفوس نے اسکے سامنے ہاتھ جوڑے تھے۔۔

وہ ان سے ایسی کسی چیز کی توقع نہیں کر رہی تھی۔۔۔

اسکا سکتہ ٹوٹا اسنے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے انکے دونوں ہاتوں کو پکڑا اور ان پہ سر ٹکائے رو دی۔۔۔۔

مجھے معاف کردو عرشی۔۔۔۔

ہم میں سے کسی نے تمہارا ساتھ نہیں دیا ہم میں سے کوئی بھی اتنی ہمت والا نہیں ہے۔۔

جتنی ہمت والی تم ہو۔۔۔

پلیز چچاجان اتنے سالوں بعد یہ سب باتیں اب بلکل بے معنی ہیں۔

آپ اور ابا اب ان سب باتوں کو بھول جائیں جو ہونا تھا ہوگیا۔۔۔

وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

آپ لوگ بنا بتائے اگے آپ لوگ بیٹھیں ابا اندر ہیں۔۔۔

وہ انھیں لے کر ابا کے پاس گئی تھی۔

ابا انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے۔

اور پھر انکی جدائی کا غم انھیں رلا گیا۔۔

وہ سب اب ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھے۔

عریشہ سبحان احمد کے پاس بیٹھی انھیں سوپ پلا رہی تھی۔۔۔

ان چاروں میں سے کسی نے بھی اب تک سمیر کا ذکر نہیں کیا تھا وہ پوچھنا چاہ رہی تھی۔۔۔

پر پتہ نہیں آج زبان ساتھ کیوں نہیں دے رہی تھی۔۔۔۔۔

وہ ابھی اسی شش وپنج میں مبتلا تھی کہ پوچھے یا نہیں۔۔

جب عنایہ موبائل ہاتھ میں لیے اسکے پاس آئی۔۔۔

مما بابا کا نمبر کیوں بند ہے مجھے بات کرنی ہے ان سے۔۔۔

میں بہت مس کر رہی ہوں انھیں آپ ان سے کہیں کے آکر لے جائیں ہمیں۔۔۔

وہ منہ بسورتے ہوئے وہیں اس کے پاس بیٹھ گی۔

آپ اٹھ کر نانا ابا اور نانو سے سلام کرو میں چیک کرتی ہوں کے نمبر کیوں آف ہے۔

مما یہ کون ہیں

عنایہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

میں بعد میں بتاتی ہوں آپ مل کے آو۔۔۔

عرشی نے اسے کہتے ہوئے۔

داود کا نمبر پھر سے ڈائل کیا وہ ابھی تک بند تھا۔

وہ اس وقت کبھی بھی اپنا نمبر بند نہیں کرتا تھا۔

ما شاء اللہ ابھی کل کی بات لگتی ہے جب عرشی اس کے جتنی ہوا کرتی تھی۔

اور اب اسکی بیٹی۔۔

شایان احمد نے عنایہ کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔۔

عریشہ نے ایک نظر ان سب کو دیکھا

اور پریشانی کے عالم میں گھر کے نمبر پہ ٹرائے کیا۔

وہاں سے اسے کال کی جاتی رہی تھی

صفیہ آکثر وہیں سے اس سے رابطہ کرتی تھی۔

جب سے وہ یہاں آئی تھی تقریبا روز بات ہو رہی تھی۔

بس بیٹیاں کب بڑی ہو جاتیں ہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔

سبحان احمد نے بھی شایان احمد کی بات کی تائید کی۔

مسلسل رنگ کے بعد بھی کال رسیو نہیں کی گی تھی۔

عرشی کو اب اسکے آفس کا خیال آیا۔

ظاہر ہے اس وقت وہیں ہوں گے۔

اسنے آفس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے سوچا۔

دوسر ہی بل پر کال رسیو کر لی گی تھی۔

مسٹر داود سے بات ہو سکتی ہے۔۔۔

عریشہ نے سلام دعا کے بعد اسکی سیکریٹری کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا۔

نہیں میم وہ ابھی تک آفس نہیں آئے۔

سیکریٹری نے اسکی غیر موجودگی کی اطلاع اس تک پہنچائی۔

وہ آوٹ اف سٹی گئے ہیں کیا۔۔۔یا

وہ اور آفس سے غیر حاضر ممکن نہیں تھا وہ صرف اس وقت غیر حاضر ہوتا جب شہر سے باہر ہوتا۔

وہ یا پہ آ کر رکی۔

نہیں میم آج بہت اہم میٹنگ ہے انکی اور بنا بتائے ہی نہیں آئے ہو سکتا ہے لیٹ آئیں آپ اپنا نام اور میسج دے دیں میں انکو انفارم کر دو ں گی۔

وہ اپنے مخصوس پر فیشنل انداز میں بولی۔

وہ آپ ان سے کہیے گا کہ عنایہ احمد کی کال تھی۔

اسنے اپنی بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کے شور سے گھبرا کر اسے اپنا پیغام دیا اور جلدی سے فون بند کرتی اٹھ کر باہر چلی گی۔

یااللہ خیر کرنا اسکا دل رات سے ہی کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہا تھا۔۔۔

اب تو جیسے دل قابو میں نہیں رہا تھا۔۔۔

وہ عجیب اضطراری انداز میں یہاں سے وہاں چکر لگاتے ہوئے اسکی کال کا انتظار کرنے لگی۔

عاشی آپی کونسا ڈریس پہنوں میں۔۔

وہ دو سے تین جوڑے ہاتھ میں میں لیے عاشی کا سر کھا رہی تھی۔

وہ جو بھی سلکٹ کرتی عرشی کو نقص نکال کر ریجیکٹ کر دیتی۔

مجھے نہیں پتہ موضی کرو جب میری مانی نہیں ہے تو پوچ کیوں رہی ہو۔۔

عاشی خفگی سے بولی۔

نہیں فائنل آپ بتاو اب کچھ نہیں کہوں گی پکا۔۔۔

وہ اب دو سوٹ فائنل اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولی۔

یہ ٹھیک ہے عاشی نے لائٹ گرین اور سکن کلر کے جوڑے پہ ہاتھ رکھا۔۔۔

میرا دل بھی اسی پہ تھا۔۔۔

عرشی دوسرا جوڑا واپس ہینگ کرنے لگی۔۔۔

آپی آپ بھی چلتی مزہ آتا۔۔۔

وہ اب اپنا جیولری بکس کھول کے بیٹھ گئی تھی۔

تمہیں پتہ ہے نہ کے ایسی پارٹیز جن میں آپ کسی کو جانتے نہیں ٹھیک سے میں وہاں بور ہو جاتی ہوں۔

وہ اسکی بکھری ہوئی جیولری کو غور سے دیکھنے لگی۔

یہ اچھا ہے یہ پہن لو

عاشی نے عرشی کا ایک نیکلس ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

جی نہیں ایک تو گرمی بہت ہے دوسرا میری منگنی نہیں ہے۔

وہ منہ بنا کر بولی۔

اب اٹھ جاو عرشی دیر یو جائے گی۔

عاشی نے ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔

ہاں بس جا ہی رہی ہوں۔۔۔

وہ ہلکے پھلکے سے ائیر رنگ نکالتے ہوئے بولی۔۔۔۔

اور باقی چیزیں سمیٹ کر تیار ہونے چل دی۔۔۔۔۔

○○○○○○○○○○●●○○○○○○○○○○

گرین اور سکن کلر کے سوٹ میں ہلکی سی جیولری اور ہلکے میک کے ساتھ اپنے گھنے کمر تک آتے طالوں کی پونی ٹیل بنائے وہ بے شک نظر لگ جانے کی حد ت پیاری لگ رہی تھی۔

محترمہ آپ زراعرشی سے کہیے جلدی تیار ہو جائے دیر ہو رہی ہے۔

عرشی تیار ہو کر نکلی تو سامنے ہی سمیر اسکے انتظار میں یہاں سے وہاں چکر لگا رہا تھا۔

عرشی نے گھور کر اسکی طرف دیکھا۔۔۔

وہ اب بھی حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

محترمہ میں نے آپکو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔۔

وہ اپنے ذہن پہ زور دیتے ہوئے بولا۔۔۔

جی بلکل آپ نے مجھے ایک گھنٹہ پہلے دیکھا تھا۔۔۔

جب میں آپکے روم میں آپ کو بتانے گئی تھی کہ ہم کب گھر سے نکلیں گے۔۔۔

وہ اپنے بازو سینے پہ باندھتے ہوئے بولی۔۔۔

آپ اس وقت تو بلکل بھنگن لگ رہی تھیں۔۔

وہ دو قدم اس کے قریب آیا۔۔۔

عرشی کا خون جل کر خاک ہوا۔۔۔

اچھا تو اب کیا لگ رہی ہوں۔۔

اسنے اپنے غصے کو ضبط کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

اس وقت اپ میک آپ کا آشتہار لگ رہی ہیں۔

وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔۔۔

اچھا میں اشتہار ہی ٹھیک ہوں۔

تم چلو دیر ہو رہی ہے۔۔۔

رہی بات میک اپ کی تو وہ تو تمہیں بھی نظر آ رہا ہے کہ میں نے کتنا کیا ہے۔۔۔

وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

تمہیں اتنی کیا جلدی ہے تم نے وہاں جا کر پلیٹیں لگانی ہیں۔

ہاں لگانی ہیں مجھے جلدی جانا تھا پہلے ہی دیر ہو گی ہے اب پلیز چلو۔۔

عرشی نے بولتے ہوئے اسکا بازو پکڑ کر اپنے ساتھ کھینچا۔۔۔

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

ارے یار تم نے اتنی دیر لگا دی آنے میں۔۔۔

عرشی اور سمیر سب سے پہلے گیسٹ تھے۔۔

پھر بھی رمشا گلہ کر رہی تھی کہ وہ لیٹ ہے۔۔۔

یار ٹائم سے دس پندرہ منٹ اوپر ہوئے ہوں گے۔۔۔

عرشی نے کہتے ہوئے اپنی ریسٹ واچ دیکھی وہ بیس منٹ لیٹ تھی۔

ویسے ہی تم سے باتیں کرنی تھیں یار۔۔۔

رمشا نے کہتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑا۔

اب کر لو اب کیا ہو گیا۔۔۔

آو بیٹھو تو سہی وہ ابھی تک کھڑے تھے رمشا نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ بیٹھایا۔۔۔

جبکہ سمیر سامنے والے صوفے پہ براجمان ہو گیا۔

ان سب کی اسکولنگ ساتھ ہوئی تھی۔

سمیر ان سے ایک سال سینئر تھا۔

پھر سبجیکٹ کی چینجنگ کی وجہ سے۔

سمیر کو کالج چینج کرنا پڑا۔

اس لیے وہ سب ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔۔

آپ لوگوں کے لیے کیا منگواوں۔

جوس یا کولڈ رنک۔

رمشا کو آداب میزبانی یاد آئے۔

جو دل کرے تمہارا مہمان تو بے زبان ہوتا۔۔

جواب سمیر کی طرف سے آیا۔۔

رمشا کو زوروں کی ہنسی آئی۔

سمیر صاحب وہ وقت بھول گئے جب آ کر میری مما سے اور ہمارے کوک سے فرمائشیں کر کر کے تم کھانے پکوا کے کھاتے تھے۔۔

وہ تو بچپن کی باتیں ہیں۔۔

سمیر نے بات ہوا میں اڑائی۔

اچھا یار عرشی آئسکریم تمہارے لیے منگوائی سپیشل تمہاری فیورٹ۔۔۔۔

وہ بھی منگوا لوں۔رمشا نے عرشی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

نیکی اور پوچھ پوچھ۔

عرشی کی آنکھیں چمکیں۔۔۔۔

رمشا نے اپنے ملازم سے پہلے جوس اور پھر آئسکریم لانے کا کہا۔

وہ لوگ باتوں میں مصروف تھے۔۔۔

جب ملازم آئسکریم سرو کرنے لگا۔۔۔

رمشا نے پہلے عرشی اور پھر سمیر کو سرو کی۔۔۔

پیچھے ہٹا لو نام مت لو آئسکریم کا

شدید نفرت ہے مجھے آئسکریم سے۔

سمیر کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔

رمشا ڈر گی۔

کیا ہو سمیر تمہیں تو بہت پسند تھی نہ آئسکریم۔۔۔

رمشا نے حیرت سے سمیر کی طرف دیکھا۔۔۔

عرشی اب آئسکریم چھوڑ کر مسلسل ہنس رہی تھی۔۔۔۔

سمیر جل کے رہ گیا۔۔

کیا دکھ تھا جو یاد آیا تھا۔

سمیر کو وہ رنگ نظر آنے لگی جو اسے اپنے ہاتھوں سے جاتی محسوس ہو رہی تھی۔

رمشا حیران پریشان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

کوئی مجھے بتائے گا کے ہو کیا ہے۔

رمشا واپس عرشی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

عرسی نے ہاتھ ہوا میں بلند کیااور داستان کہنا شروع کی وہ اب مزے لے لے کر رمشا کو ساری بات بتا رہی تھی۔

اور جلتے بھنتے سمیر کی حالت سے اب وہ دونوں لطف اندوز ہو رہیں تھیں۔۔۔۔۔

وہ اسی طرح خوش گپیوں میں مصروف تھے۔۔۔

اسی اثنا میں مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔۔۔

وہ دونوں مہمانوں کو رسیو کرنے کے لیے انٹرنس پہ کھڑی ہو گئیں۔

پارٹی اپنے عروج پر تھی۔

تقریبا سبھی مہمان آ چکے تھے۔۔۔

لان میں منقد انتظام بلا شبہ بہت زبردست تھا۔۔۔

سب لوگ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔۔۔

گرمی آج معمول سے کم تھی موسم کافی خشگوار تھا۔

ہوا بہت تیز تھی۔۔۔

عرشی کسی کام سے رمشا کے پاس جارہی تھی۔

تو راستے میں ٹرے میں جوس لیے کھڑے ویٹر سے چلتے ہوئے ہی تیزی سے ہاتھ بڑھا کر گلاس تھاما۔

اور اسکا ہاتھ سامنے سے آتے ہوئے ایک شخص سے ٹکرایا۔

گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔

جوس سامنے والے کے سارے کپڑے خراب کرتا ہوا اسکے قدموں میں گرا۔

عرشی نے حیرت سے ایک نظر زمین بوس ہوتے گلاس کو دیکھا اور دوسری نظر ٹکرانے والے کو۔۔۔

وہ اب پریشانی سے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔

بہت سے لوگوں نے یہ حادثہ ہوتے دیکھا تھا جن میں رمشا بھی تھی۔

پہلے اس کا دل چاہا کہ وہ یہاں سے بھاگ جائے۔۔۔

آئی ایم سوری۔۔

مگر پھر اس نے ہمت کر کے انھیں مخاطب کر ہی لیا۔

اٹس اوکے۔۔۔

وہ شرٹ ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے سیدھا ہوا۔

آپ عرشی کے منہ سے اچانک نکلا۔

اسنے اپنی بے ختیاری پہ اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔۔۔

جی میں وہ اب حیرت سے عرشی کو دیکھ رہا تھا۔

وہاں شناسائی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔۔

آئی مین کہ آپ کے کپڑے خراب ہو گئے میری وجہ سے

وہ شرمندہ سے لہجے میں بات بدل گئی۔۔

کوئی بات نہیں آپ اگر نیکسٹ احتیاط سے چلیں تو زیادہ بہتر ہو گا وہ رسمی سی مسکراہٹ چہرے پے سجائے بولا

شکر ہے اسے ڈانٹ نہیں پڑی تھی

یہ ہی کافی تھا۔۔۔

مجھے لگتا ہے میں نے آپکو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

وہ جانے کے لیے پلٹی ہی تھی جب وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

یہ آپکو پتہ ہو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔

وہ جاتے جاتے رکی۔۔

اسے سب یاد تھا پر وہ پتہ نہیں کیوں انکار کر رہی تھی۔

اتنے میں رمشا ان کے قریب آ گئی تھی۔

عرشی کو کچھ ڈھارس ہوئی۔

کیونکہ یہ اچانک ہونے والا حادثہ اسے کافی پریشان کر رہا تھا۔۔۔

آپ ہمیشہ کی طرح آج پھر لیٹ آئے ہیں۔۔۔

رمشا نے ان کے پاس رکتے ہوئے گلہ کیا۔۔

سوری ضروری کام تھا لیٹ ہو گیا۔۔۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے۔۔

عرشی یہ میری پھوپھو کے بیٹے ہیں داود شیراز احمد

اور داود بھائی یہ میری فرینڈ عریشہ سبحان

رمشا نے دونوں کا تعارف کروایا۔

ارے یاد آیا عرشی تم اس دن کہہ رہی تھیں نہ تم نے انھیں کہیں دیکھا ہے۔

اب بتا یہ وہی ہیں کیا۔۔۔۔

رمشا کو تعارف کرواتے کرواتے یاد آیا۔

میں بھی ابھی ان سے یہ ہی کہہ رہا تھا پر انھوں نے صاف انکار کر دیا

عرشی نے اپنا سر نہ میں ہلانا چاہا جب وہ بول اٹھا۔

عرشی جی بھر کہ شرمندہ ہوئی۔۔

بولو بھی۔۔

رمشا نے خاموش کھڑی عرشی کا بازو پکڑ کے ہلایا۔۔

عرشی اب بول کہ خود کو مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

سو خاموش رہی۔

ارے آپ وہی ہیں نہ آئسکریم والی۔

وہ ایک دم یاد آنے پر بولا۔

چلو دیر سے ہی سہی موصوف کو یاد تو آیا۔

عرشی دل میں سوچتے ہوئے مسکرائی۔

ارے آپ اس دن فری ائسکریم کھلا رہیں تھیں کیا میں پوچھ سکتا ہوں کس لیے۔۔

وہ اب بلکل ریلکس سا کھڑا اس سے باتیں کر رہا تھا۔۔۔

عرشی نے ایک نظر اس کے کپڑوں کو دیکھا۔

اسے الجھن نہیں ہو رہی کیا۔

بس ویسے ہی اس دن موڈ اچھا تھا میرا۔

عرشی نے سوچا اور پھر اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

ارے واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔

اس دن کی آئسکریم کے لے شکریہ۔۔۔

داود نے ہنستے ہوئے کہا۔۔

ویسے آپکو اسکا نہیں بلکے اسکا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس نے اس آئسکریم کا بل پے کیا تھا۔

رمشا نے ہنستے ہوئے عرشی کو ٹہکا دیا۔

کس نے بل پہ کیا یہ تو اس دن اکیلی بیٹھیں تھیں۔

داود نے دونوں کو باری باری سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

اور عرشی کی لاکھ گھوریوں کے باوجود رمشا نے صرف ردا کے ذکر کو چھوڑ کر باقی سارا قصہ کہہ سنایا۔

وہ دونوں اب کھڑے ہنس رہے تھے عرشی کا دل چاہا کہ وہ چلی جائے وہاں سے پر ہائے یہ آداب۔

وہ یوں ہی کھڑی جبرا مسکراتی رہی۔

ارے بھئی آپ تو بہت خطرناک ہیں۔

داود نے اپنی چمکتی آنکھیں اس پر مرکوز کرتے ہوئے کہا۔

وہ ہنستا تھا تو اسکی آنکھیں چمک اٹھتی تھیں۔

عرشی کچھ پل کے لیے مبہوت ہوئی۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں اور سمیر یہ سب کرتے رہتے ہیں

اور پھر فورا اپنی نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔

ویری گڈ اوکے معذرت میں اب چینج کر لوں وہ ان سے معذرت کرتا وہاں سے چلا گیا۔

اور عرشی نے رمشا کو ایک زور کا دھموکا جھڑا۔

وہ بلبلا کر رہ گی۔

کیا ہے ظالم لڑکی۔

رمشا نے اپنا کندھا سہلایا۔

کیا ضروت تھی ان سے اتنا فری ہونے کی کہ مطلب سب کچھ بتا دو۔۔۔

وہ غصے سے بولی۔

اور تمہیں کیا آفت آئی تھی جو یوں ان سے ٹکرا گئی۔

رمشا نے اسے گھورا۔

مجھے تو سمجھو سچ میں آفت آئی تھی۔

اچھا بتاو کیا آفت آئی تھی۔

رمشا اسے ہاتھ سے پکڑ کر ایک کونے میں لے گئی۔

یار وہاں بلیک سوٹ میں کوئی لیڈی بیٹھی ہیں مجھے پکڑ کر پیار کرنے لگیں۔

اور پورا انٹرویو کیا میرا کب سے ویٹ کر رہی تھی کہ کم سے کم تم ہی مجھے بلا لو۔

اتنی مشکل سے اٹھ کر بھاگی اور آگے یہ سب ہو گیا۔

وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔

وہ بلیک سوٹ والی لیڈی جو وہاں بیٹھی ہیں۔

رمشا نے ہاتھ سے اس سمت اشارہ کیا۔۔یار اشارہ تو مت کرو کتنا آکورڈ لگتا ہے۔

عرشی نے اسکا ہاتھ پکڑ کر نیچے کیا۔

ہائے عرشی میری دعا ہے کہ قرعہ تمہارے نام نکلے۔

رمشا نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

کیسا قرعہ۔

عرشی نے اپنی حیرت کا اظہار کیا

یار وہ جو آنٹی ہیں نہ وہ آجکل اپنے بیٹے کی شادی کرنے کے چکروں میں ہیں۔

تو ہر آتی جاتی لڑکی انھیں اپنی بہو دیکھائی دینے لگی ہے۔

رمشا شرات سے ہنسی۔

جسے تو میں انھیں پسند آ جاوں گی اور آگر آ بھی گئی تو جسے میں ان ہی کے بیٹے کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔

فورا مان جاوں گی

عرشی نے بات ہوا میں آڑائی۔

تم پہلے ان کا بیٹا دیکھ لو بعد میں ریجیکٹ کرنا۔

رمشا نے اسکا چہرہ دوسر طرف موڑا۔

انتہائی سلیقے سے بال بنائے بلیک اور کاپر نفیس کڑھائی والا کرتا سفید شلوار او کڑھائی کا ہم رنگ کھسہ پہنے وہ بہت پچ رہا تھا۔۔

سامنے بیٹھی لڑکیوں کے گروپ نے کئی بار مڑ مڑ کر اسے دیکھا۔

وہ دیکھو بے چاری لڑکیاں پر داود بھائی کسی کو دیکھتے تک نہیں۔

عرشی نے اپنا چہرہ واپس موڑا۔۔۔

ہاں تو ٹھیک ہے مت دیکھیں میں کیا کروں۔

عرشی نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

اب بتاو اب بھی انکار ہے۔

رمشا نے اسکی انکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

رمشا رائی کا پہاڑ بنانا کوئی تم سے سیکھے۔

اب تک ایسی بات کا کوئی نام ونشان نہیں اور تم

عرشی زچ ہوتے ہوئے بولا۔

نہیں تم بس اپنا جواب بتاو۔۔۔۔

رمشا بعضد تھی۔۔۔۔

میں کھلی آنکھوں سے خوب نہیں دیکھتی اور ایک ایسا شخص میری چوائس کیسے ہو سکتا ہے جسے میں جانتی تک نیہں جو ہنستا بھی سوچ سوچ کہ ہو اور پہلی ہی ملاقات میں اتنا بڑا فیصلہ کوئی بھی نہیں کرتا۔۔۔

جب جانتے ہی نہیں تو بات کرنا فضول ہے۔

وہ اب رمشا کو سمجانے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ھان جاو گے وقت کے ساتھ ساتھ۔

اور رہی بات سوچ کہ ہنسنے کی تو وہ ہم سے چار سے پانچ سال برے ہیں میچیور لوگ اتنا نہیں ہنستے۔

تم بس بتا کہ ہاں یاں نہ۔

ریجیکٹیڈ۔۔۔۔۔

عرشی اک ادا سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

رمشا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

عریشہ اور سمیر دونوں کے کالج اپن ہو گئے تھے۔

کالج سے گھر سے اکیڈمی اور پھر تھک کر جہاں جگہ ملتے گر جاتے۔۔۔۔

ایک طرف ان کی روٹین اور دوسری طرف عاشی کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔

کبھی گھر میں کچھ بن رہا ہوتا کبھی بازار کے چکر عرشی تو یہ سوچ کہ ریلکس تھی کہ بہت وقت رہتا ہے وہ اپنی شاپنگ بعد میں کرے گی۔۔۔۔

وقت کی رفتا کو کوئی بھی روک پایا۔

اسکا کام ہے گزرنا سو گزرتا چلا جاتا ہے۔

موسم اب کافی بہتر تھا۔

سردی شروع ہونے کے اثار معلوم ہو رہے تھے۔

شادی میں محض ایک ہفتہ باقی تھا اور عرشی کو مہندی کے لیے جوڑا چاہیے تھا۔

اماں پلیز مان جائیں نا وہ جوڑا میری آنکھوں کے سامنے سے ہٹ نہیں رہا۔۔۔

ٹھیک ہے تھوڑا ایکسپنسیو ہے پر اماں ان کی شادی بھی تو ایک بار ہو رہی ہے ناں۔

وہ کب سے کھڑی اماں کی منتیں کر رہی تھی۔۔۔

عرشی ضد مت کیا کرو ایک بار بولا نہ کہ نہیں تو نہیں جتنے کپڑے عاشی کے بنائے اتنے تو ساتھ تم نے بھی بنا لیے۔

سمجھ نہیں آ رہا جس کی شادی ہے وہ خاموش ہے اور تم فرمائشیں کر کر کے میرا سر کھا رہی ہو۔

اماں اب عاجز آ گئیں تھیں۔

جب سے وہ جوڑا عرشی نے دیکھا تھا تب سے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی۔۔

وہ غصے سے منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

عرشی بات کو سمجھو عہ بہت بھاری کام دار جوڑا ہے دلہن لگو گی۔۔۔

اپنی شادی پہ لے لینا۔

اماں اب اسے بہلانے کی کوشش کر رہیں تھیں۔

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

یہ ناراضگی کا واضح اشارہ تھا۔

ارے بھائی کس بات پہ بحث ہو رہی ہے۔

سبحان احمد آج جلدی گھر آ گئے تھے۔

دنوں کے بولنے کی آوز ان تک بھی پہنچ گئی تھی۔

ابا آپ کے لیے پانی لاوں۔

عاشی نے انھیں آتے دیکھا تو پوچھا۔۔

ایک کپ چائے لے آو سر میں درد ہے۔

وہ عرشی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

عاشی اثبات میں سر ہلاتی چلی گئی۔

اب میری گڑیا بتائے کہ موڈ کیوں خراب ہے۔

انھوں نے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

اپنی بیگم سے پوچھ لیں۔

عرشی نے یوں ہی منہ بنائے کہا۔

سبحان احمد اور شاہدہ بیگم مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

اچھا بیگم آپ بتائیں کیا کہا ہے آپ نے ہماری گڑیا کو۔

وہ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پے سجائے بولے۔

آپ اس کو زیادہ سر نہ چڑھائیں ایسے ہی ضد کر رہی ہے۔۔۔

اور عرشی ابا کو تنگ مت کرنا میں عصر کی نماز پڑھ لوں وقت تنگ ہو رہا ہے۔

وہ اسے تنبیہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تم مجھے بتاو مسلہ کیا ہے میری بیگم کی باتوں کو زیادہ سیریس مت لیا کرو۔۔

انہوں نے شاہدہ بیگم کو جاتے ہوئے دیکھا اور

عرشی کے قریب ہوتے ہوئے بولے۔

عرشی کو ناچاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

شاباش خوش رہا کرو تم اداس ہوتی ہو نہ تو مجھ سے سہا نہیں جاتا۔

تمہاری سیک مسکراہٹ میرا دن بنا دیتی ہے۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرائے۔

اب بتاو بات۔

عرشی کو تو موقع چاہیے تھا ہو گئی شروع پوری کہانی مرچ مصالہ لگا کر بیان کی۔۔

اچھا تو اتنی سی بات پہ تم نے میری بیگم سے اور میری بیگم نے تم سے لڑائی کر لی۔

کتنے کا ہے وہ ڈریس۔

وہ اب اس سے سوٹ کی قیمت پوچھ رہے تھے۔

آنلی ٹونٹی تھاوسینڈ۔۔۔۔

وہ ایسے بولی جسے بیس روپے ہوں۔۔

اچھا تو یہ لو تم بیس ہزار جا کے لے لو جوڑا۔۔

پر ابھی میری بیگم کو مت بتانا۔۔۔۔

وہ پیسے اس کے ہاتھ پہ رکھتے ہوئے بولے۔

ابا اب بس بھی کریں۔۔۔

آپ نے بات ہی پکڑ لی ہے۔

وہ جھنپ گئی تھی۔۔۔

وہ ہنسنے لگے۔۔۔۔

یو آر دا بیسٹ فادر ان دس ورلڈ۔۔۔۔

آئی لو یو آئی لو یو سو مچ۔۔۔۔

عرشی نے فرت جزبات میں انکا ہاتھ پکڑ کر چوما۔۔۔

اور پھر کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔۔۔

ابا آپ کو تو بہت تیز بخار ہے۔۔۔

عرشی نے پریشانے سے کہتے ہوئے ان کے ماتھے کو چھوا۔

اب تم نے چھو لیا میں ٹھیک ہو جاوں گا۔۔

معمولی بخار ہے۔۔

ایسے کیسے معمولی ہے۔۔۔

عرشی پریشان تھی۔۔۔

جب تک میری دونوں بیٹیاں میرے پاس ہیں۔۔

مجھے کچھ نہیں کہہ سکتا یہ بخار۔۔

انھوں نے چائے کا ٹرے لے کر آتی عاشی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

لیکن میں تو کچھ دنوں میں چلی جاوں گی۔

عاشی نے ٹرے میز پر رکھا اور سبحان احمد کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

اللہ تمہیں تمہارے گھر کی ساری خوشیاں عطا کرے۔

وہ شفقت سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

عاشی کا دل بھر آیا وہ ان کے کندھے پہ سر رکھ کے رو دی۔

ابا یہ گھر آپ سب مجھے اجنبی لگنے لگے ہو جیسے جیسے دن قریب آ رہے ہیں اس گھر سے آپ سب سے دور ہونے کا خیال ہی مجھے اندر ہی اندر سے کھا رہا ہے۔۔۔

یہ اپنے رشتے چھوڑنے کی قربانی عورت کو ہی کیوں دینی پڑتی ہے۔۔۔۔

میں کیسے رہوں گی آپ سب کے بغیر۔

عاشی آنسوؤں میں بھیگی آواز میں بول رہی تھی۔

ابا میں آپی کے بغیر کیسے رہوں گی۔

عرشی کے انسو بھی بہہ نکلے۔۔۔

مجھے بتاو میں تم دونوں کے بغیر کیسے رہوں گا۔۔

سبحان احمد نے اپنے دونوں جگر کے ٹکڑوں کو اپنے سینے سے لگایا۔۔

عاشی کی آنسوؤں میں شدت آگئی تھی۔

میں کہیں نہیں جاون گی آپ کو چھوڑ کر

وہ منہ بنا کر بولی۔

ابا ہم لوگ لاہور شفٹ ہو جاتے ہیں۔

عرشی نے پرسوچ لہجے میں کہتے ہوئے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے دوسا حل پیش کیا۔

ایسی بات عرشی ہی کر سکتی تھی۔

بیٹا یہ آسان نہیں ہے۔۔۔

ابا میرے بعد اگر اسنے آپکا خیال ٹھیک سے نہ رکھا تو مجھے بتانا میں اسکے کان کھینچوں گی۔

عاشی نے ان سے علیحدہ ہوتے ہوئے ماحول کو نارمل کرنے کی کوشش کی۔

تم میرے کان بعد میں کھنچنا پہلے ابا کو میڈسن کھلاو اتنی آسانی سے تھوڑی مانیں گے میری۔

عرشی اٹھتے ہوئے کہا اور میڈسن لینے چلی گئی۔

سبحان احمد دوا کھا کر آرام کرنے چلے گئے تھے۔۔۔۔

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

. . . . . ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○ ○

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

ہیپی فادرز ڈے اللہ ہم سب کے ماں باپ کو سلامت رکھے

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

عاشی کمرے میں آئی تو عرشی تکیے میں منہ چھپائے رونے میں مشغول تھی۔

تمہیں کیا ہوا۔۔۔

عاشی نے اس کے چہرے سے تکیہ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

آپی میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔

آپ کیوں جا رہی ہیں۔

آپ سے باتیں کئے بنا میرا دن ہی نہیں گزرتا میں کیا کیا کروں گی اکیلی۔

عرشی کے اپنے ہی رونے تھے۔

عاشی کی آنکھوں میں آنسو ہونے کے باوجود اسکے ہونٹو کو مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

تمہارے پاس ابا ہیں اماں ہیں سمیر چچی چچا عاشر بھائی۔

سب ہیں

تم ان کے ساتھ ٹائم سپنڈ کرنا۔

مجھے ان کے بغیر رہنا ہو گا۔

عاشی اسے اپنے ساتھ گلے لگاتے ہوئے اسے سمجھا رہی تھی۔

پر آپ تو آپ ہیں آپ کی کمی کون پوری کرے گا۔

جیا ہے نہ اس سے دوستی کر لینا میری یاد کم آیا کرے گی۔

عرسی نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور ہاں میرے ناولز اور رسالوں کا خاص خیال رکھنا۔

کسی چیز کو کچھ یوا نہ تمہاری خیر نہیں۔

اپنی سہلیوں کو سمجھا دینا کہ یہ لائبریری نہیں ہے۔

عاشی اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بولی۔

آپ کے جانے کا دکھ کم اور خوف زیادہ محسوس ہو رہا ہے اتنی ہدیات اتنی پابندیاں۔

ہم تو آزاد لوگ ہیں صاحب پابندیوں میں نہیں رہ پائیں گے۔

عرشی وہ اک ادا سے ہاتھوں کو دائیں بائیں کرتے ہوئے بولی۔

اور پھر وہ دونوں کھلکھلا کہ ہنس پڑیں

☆☆☆☆☆☆ ▪ ▪ ▪ ▪ ▪ ▪ ▪ ▪ ☆☆☆☆☆☆

مجھے مارکٹ جانا ہے ابھی اور اسی وقت

سمیر ابھی کچھ دیر پہلے ہی اکیڈمی سے آیا تھا۔

جب عرشی اسکے سر ہوئی۔۔۔

اس گھر میں مفت کا نوکر بنا ہوا ہوں آجکل۔

وہ اپنی ساکس اتراتے ہوئے بولا۔

ظاہر ہے اب اور کسے کہیں۔

تم لیو کے لو کیا مسلہ ہے پانچ دن بعد مہندی ہے پتہ تو ہے تمہیں۔

وہ اسکے سامنے رکھے صوفے پہ بیٹھ گئی۔

جس کی شادی ہے وہ ابھی تک مصروف ہے واہ میری شادی ہوتی تو ایک ماہ پہلے لیو لے لیتا۔

وہ آہ بھرتے ہوئے بولا۔

سوبر لوگ دو دن پہلے چھٹیاں لیتے ہیں۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جماتے ہوئے بولی۔

کیا مطلب ہے اس بات کا۔

وہ سیدھا ہو بیٹھا۔۔

تم جسے چھچھورے سے یہ ہی امید کی جا سکتی ہے۔

کہ بارات گھر پہ اور دولہا سسرال۔

عرشی نے ہنستے ہوئے کہا۔

اچھا میں چھچھورا۔۔۔

بہت جلد میری شادی ہو گی اور بہت بہترین ہو گی۔

تم دیکھنا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

بلی کو خواب میں چیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔۔۔۔

عرشی نے اسے منہ چڑایا۔

جلنے والوں کا منہ کالا

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

شاپنگ پہ جانا ہے۔

سمیر نے اسکی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

عرشی نے اثبات میں سر ہلایا۔

تم میرے لیے ایک کپ چائے بناو میں تب تک چینج کر لوں۔

وہ اسے کہتا ہوا واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

عرشی بھی دل پہ پتھر رکھ کے چائے بنانے چل دی۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

وہ لوگ شام ڈھلے مارکیٹ پہنچے تھے اس وقت ٹریفک اور بازاروں میں رش بہت زیادہ ہوتا ہے۔۔۔

وہ گاڑی سے اترت ہوئے تیز تیز چلتی اپنی مطلوبہ شاپ کی جانب بڑھی۔

سمیر بھی کار لاک کر کے اسکے پیچھے ہوا۔

سر یہ ڈریس پیک کر دیں۔

وہ سرخوشی کی کیفیت میں بولی جو چاہتی تھی اسے پا لیا تھا۔

سوری میں م یو آر لیٹ۔

یہ ڈریس کچھ دیر پہلے سیل ہو چکا ہے۔۔

سیلز مین نے معذرت کرتے ہوئے وہ ڈریس دوسر لڑکے کو پیک کرنے کا اشارہ کیا۔

وہ حیرت اور صدمے سے میلی جلی کیفیت سے اس ڈریس کو دیکھ رہی تھی۔

آپ کچھ اور پسند کر لیں۔

سیلز مین نے اسے مخاطب کیا۔

نہیں مجھے یہ ہی چاہیے۔

وہ بضد تھی۔

میم ایک کام ہو سکتا ہے۔

کیا عرشی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ہم آرڈر پہ تیار کر سکتے ہیں۔

عرشی کی آنکھوں میں امید جاگی۔

کب تک ملے گا وہ۔

دو سے ڈیڑھ ہفتے تک۔

امید پھر سے معدوم پڑ گئی تھی۔

چار دن کہ اندر کچھ نہیں ہو سکتا۔۔

اسنے امید کو پھر سے جگانے کی کوشش کی۔

سوری میم شادیوں کا سیزن ہے رش بہت ہے ہم اتنی جلدی نہیں دے سکتے۔

آپ کوشش تو کریں۔

وہ اصرار کر رہی تھی۔

آپ ان صاحب سے بات کر لیں اگر وہ مان جائیں تو جوڑا آپ کا ہو سکتا ہے۔

سیلز مین نے کاؤنٹر پہ کھڑے ایک صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

اسکی کی عرشی کی جانب پشت تھی۔

عرشی بھلا کسی سے بھیک کیسے مانگتی۔

وہ دل برداشتہ ہو کر وہاں سے نکل آئی تھی۔

ہم کہیں اور چلتے ہیں اتنے بڑے شہر میں کیا ایک ہی جوڑا تھا۔

اسجیسے بہتر اور بہت مل جائیں گے۔

سمیر اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

اس پورے شہر میں اس شخص کو بھی یہ ہی جوڑا خریدنا تھا۔

وہ غصے سے بولی۔

ایک تو میں تمہاری اس ضد سے بہت تنگ ہوں کسی دن تم ضد لگا کر بیٹھ جاو گی کہ یہ والا نہیں وہ والا شوہر چاہیے۔

وہ اسے چیڑ رہا تھا کہ کسی طرح اسکا مود ٹھیک ہو۔

ہاں تو یہ میرا رائیٹ ہے کہ اپنی پسند کا اظہار کر سکوں۔

وہ کہتے ہوئے گاڑی کا جانب بڑھ گئی۔

وہ بھی اسکے پیچھے ہو لیا۔

یار تم ایک ڈریس کے لیے جوگ لے کہ بیٹھ گی ہو۔۔۔

سمیر گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

وہ یوں ہی چہرہ موڑے باہر دیکھتی رہی

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم اتنی ضدی اور جنونی ہو۔

تمہارا شوہر تمہیں کیسے ہینڈل کرے گا۔۔

وہ ہنستے بولا۔

وہ پھر بھی خاموش رہی تھی۔۔۔۔

یار ایک ڈریس کے لیے یہ حال ہے تمہارا اگر خونخواستہ تمہیں کسی سے عشق ہو گیا۔۔۔

تو کیا ہو گا تمہارا۔۔۔

وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ ےو جسے چپ کا روزہ رکھ کے بیٹھی تھی۔

وہ بولتا رہا پر وہ خاموش ہی رہی سمیر کو بولنے کے لیے اسکے جواب کی تھوڑی ضروت تھی۔۔

وہ بے تکہ اور مسلسل بولنے کا عادی تھا۔۔۔

میں نے نوٹس کیا ہے کہ تمہیں بولنے کا اتنا شوق ہے کہ تم دیواروں سے بھی بات کر سکتے ہو۔

اور وہ بھی چلا اٹھیں گیں

کہ بس سمیر احمد اب اور نہیں۔۔

میرے تو پھر دو کان ہیں۔

عرشی جل کے بولی۔

وہ پورا راستہ یوں ہی منہ بنائے بیٹھی رہی تھی۔

سمیر نے اسے بہت چیئر اپ کرنے کی کوشش کی تھی پر اسکا موڈ ٹھیک نہیں ہوا تھا۔

گھر آکر بھی وہ اسی طرح رہی تھی۔۔۔

اس سے پہلے کبھی کسی ڈریس کے نہ ملنے پہ اتنا شدید ریکشن نہیں ہوا تھا اسکا۔۔۔

اب تو ایسے تھا کہ جسے بہت قیمتی چیز کھو گئی تھی۔

》》》》》》》¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤¤》》》》》》》》》

مہندی کا فنکشن عروج پہ تھا تقریبا سبھی مہمان آ چکے تھے۔۔

عاشی ابھی تیار ہو رہی تھی اور رمشا ردا عرشی اور عاشی کی فرینڈ صبا اس کے پاس ہی تھیں

دوازہ ناک ہوا۔۔۔

عرشی نے دروازہ کھول کے باہر جھانکا۔

کیا مسلہ ہے باہر سمیر ہاتھ میں کیمرہ

لیے کھڑا تھا۔۔۔۔

اندر آنے دو عاشی آپی کی کچھ پکس لینی ہیں۔۔

وہ اسکے پیچھے ہٹنے کا منتظر تھا۔

ابھی ریڈی نہیں وہ۔

بعد میں آنا۔

وہ اسے کہتے ہوئے پیچھے ہٹی۔

یار میں کمرے میں بیٹھ کے عیٹ کر لیتا ہوں باہر بور ہو رہا ہوں۔

وہ اپنا سر کجھاتے ہوئے بولا۔۔

اچھا تمہیں انٹرٹینمنٹ کے لیے میں اندر بلا لوں یہاں کونسی کامیڈی مووی چل رہی ہے۔۔۔

وہ دروازے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پیچھے ہوئی۔

یار پلیز بات کو سمجھو۔

وہ التجایہ انداز میں بولا۔

سمجھ رہی ہوں تب ہی تو اندر نہیں آنے دے رہی۔

عرشی نے دروازہ بند کرتے ہو کہا۔

جسے سمیر نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر روکا

چلو پھر گرلز کی سائیڈ تم آنے دو گی مجھے اور میرے فرینڈز کو۔۔۔

ابھی میں چلا جاوں گا۔

اسنے شرت رکھی

اچھا تمہیں اور تمہارے چھچھورے دوستوں کو میں بلا لوں۔

رنگ میں بھنگ ڈالنے کے لیے۔

وہ کمرے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

توٹھیک ہے نہ بلاو نہ آنے دو۔

چھاپہ نہ پڑوایا تو کہنا۔

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

چھاپہ عرشی نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

ہاں نہ تم گرلز کے جو پلان ہیں سب پتہ ہے مجھے۔

بڑے ابا کو ساتھ لے کے آوں گا۔

دھمکی دے رہے ہو۔

عرشی نے اسے گھورا۔

نہیں ویسے ہی۔۔۔

وہ ایک ادا سے سر پہ ہاتھ پھرتے ہوئے پیچھے ہٹا۔۔

تمہاری بھول ہے کہ تمہاری فضول باتوں کو میں سیریس لیتی ہوں۔

اس لیے آپ تشریف لے جائیں۔

عرشی نے کہتے ہوئے دروازہ اس کے منہ پہ بند کیا۔

وہ دیکھ کر رہ گیا۔

جس مقصد کے تحت وہ آیا تھا وہ پورا نہیں ہوا تھا۔

سو وہ دل پہ پتھر رکھ کے واپس چل دیا۔

○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○○

عاشی کو لے کر صبا عرشی رمشا باہر ائیں تھیں۔

سمیر نے تصویریں بناتے ہوئے ردا کو ڈھونڈھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔دلہن ادھر ہے عرشی نے اسکی غیر توجہی دیکھتے ہوئے اسے پکارا۔

ہاں مجھے بھی پتہ ہے وہ فورا متوجہ ہوا۔

تو ادھر ادھر کسے تلاش کر رہے ہو۔۔۔

آواز پیچھے سے ائی تھی

اسنے پیچھے پیچھے مڑ کے دیکھا۔

ردا ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیے کھڑی تھی۔

کوئی بہت خاص ہے اسے۔

سمیر نے اسے دیکھتے ہوئے شرات سے کہا۔

تلاش ختم ہوئی۔

وہ اسی طرح اس کے قریب کھڑی آہستہ سے بولی۔

نہیں۔۔۔

سمیر نے مسکراہٹ دبائی۔

تو ٹھیک ہے تلاش جاری رکھئے۔

وہ کہتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئ۔

عاشی آپی سٹیج تک پہنچ گئیں اور تم یہاں کھڑے گپیں لڑا رہے ہو حد ہوتی ہے غیر ذمے داری کی۔

عرشی اب اس کے سر پہ کھڑی برس رہی تھی۔

یلو اور پنک کے کنٹراس میں پنے ہوئے لہنگے میں وہ بے حد جچ رہی تھی۔

جیولری اور کھلے بالوں نے اسکے حسن کو دوبلا کر دیا تھا۔۔۔

تم ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔۔

وہ اسے سر سے پاوں تک دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔

عرشی جل کے رہ گئ۔

وہ آنٹی مجھ سے پوچھ رہیں تھیں۔

کہ یہ ملازم کب رکھا

آپ لوگوں نے۔۔۔

عرشی ایک کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی

اچھا پھر کیا کہا تم نے۔

وہ بازو سینے پہ باندھتے ہوئے بولا۔

یہ ہی کہ شادی کے دنوں کے لیے رکھا ہے۔

وہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

ان سے پوچھو انھیں چاہیے ہوں میں تو میں یہ جاب چھوڑ دوں۔۔

وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

کوئی ضرورت نہیں ہے فلحال تم فوٹو گرافر ہو تو بہتر ہے کہ اپنا کام کرو۔۔

دوسر ی جاب بعد میں کرنا۔

میں ابھی اور اسی وقت اس جاب سے ریزائن کرتا ہوں۔

وہ کیمرہ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

عرشی نے حیرت سے اپنے ہاتھ میں پڑے کیمرے کو دیکھا

ایسے کیسے رئیزائن کر سکتے ہو تم

وہ اسکے پیچھے لپکی

بس موڈ بدل گیا غلامی نہیں کرنی اب مین نے ریلکس کروں گا۔

وہ کہتے ہوئے قریب رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔

تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہاری منتیں کروں گی۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

ظاہر ہے۔۔۔

سمیر نے کالر آکڑایا

اور یہ تمہاری بھول ہے۔

بس یہ ہو گا کہ پکس مجھے بنانی پڑیں گئیں۔

اور مین بنا لوں گی تمہاری منتیں ہر گز نہیں کروں گی۔

وہ پاوں پٹختے ہوئے چلی گئی۔

اسکا کیا اسکے ہی گلے پڑ گیا تھا

اندھے کو کیا چاہیں ہوتی ہیں دو آنکھیں۔۔

سمیر جو چاہتا تھا ہو گیا تھا۔

مہندی اور بارات کا فنکشن بہت اچھتے سے گزرا تھا۔

عاشی کی رخصتی کہ ساتھ ہی عرشی بھی لاہور چلی گی۔

سب نے کہا کہ ایک دن بعد عاشر کی بارات لے کہ جانا ہے وہ رک جائے پر وہ کہاں کسی کی ماننے والی تھی۔

آج جہانزیب کا ولیمہ اور عاشر کی بارات کا فنکشن ایک ساتھ ہی تھا۔

عاشی کو پارلر کے لیے نکلنا تھا۔

جبھی بکھری چیزیں سمیٹنے میں عرشی اسکی مدد کر رہی تھی۔

اور تو کچھ نہیں جابجا بکھرے پھول اور کل ملنے والے گفٹس کا ڈھیر۔۔

عرشی سارے گیفیٹ سمیٹ رہی تھی۔

کچھ گیفٹ کھولے جا چکے تھے اور کچھ ویسے ہی بند پڑے تھے۔

اسکی نظر ایک ادھ کھلے گیفٹ پہ پڑی۔

اسنے وہ پیکٹ پکڑ کر کھولا۔۔۔۔

اور حیرت زدہ سی اسے دیکھنے لگی۔

عرشی جلدی کرو تم نے بھی میرے ساتھ جانا ہے۔۔

عاشی اب اپنی ساتھ لے جانی والی چیزیں پیک کر رہی تھی۔

آپی یہ دیکھیں۔۔۔

وہ تحفہ ہاتھ میں لیے عاشی کے قریب آئی۔

عاشی نے بھی تحفے کو حیرانگی سے دیکھا۔

یہ کس نے دیا۔

عرشی نے عاشی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

مجھے نہیں پتہ نام لکھا ہو گا اوپر تم چیک کرو۔

عاشی نے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لیتے ہوئے نام دیکھا۔

داود شیراز احمد۔۔۔

عرشی اس کے بولنے سے پہلے بول اٹھی۔۔۔

ہاں یہ ہی نام ہے۔۔

عاشی نے پیکٹ سائیڈ پہ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

دنیا گول ہے۔

عرشی وہیں بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

کیا مطلب

عاشی نے اسے دیکھا۔

یہ کون ہیں ویسے۔۔۔

عرشی نے عاشی کو دیکھتے ہوئے پیکٹ اس کے ہاتھ سے واپس لیا۔

جہانزیب کے بہت اچھے دوست ہیں۔

پر تم کیوں حیران ہو رہی ہو۔

آپ اس جوڑے کو پہچانتی ہو۔

عاشی نے پیکٹ پہ لکھے نام کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

عاشی نے سر نفی میں ہلایا۔

یہ وہی ہے جو اس دن کوئی مجھ سے پہلے لے کے چلا گیا تھا۔

عرشی عاشی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

یار حیرت ہے یہ گھوم پھیر کے پھر سے تمہارے سامنے آگیا۔

عاشی اب سچ مچ حیران تھی۔

عرشی نے سر ہاں میں ہلایا۔

یہ تم رکھ لو میری طرف سے۔

عاشی وہ جوڑا اسکی گود میں رکھتے ہوئے پیار سے بولی۔

میں کیسے لے سکتی ہوں بھلا۔

وہ تیزی سے ان کے ہاتھ کو پیچھے کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں بڑی بہن ہو تمہاری وہ بھی چار سال اور تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم میری بات مانو۔

عاشی چلتے ہوئے اس کے قریب آئی۔

میری شادی ہوئی ہے تم پہلی بار میرے سسرال آئی ہو اسی بات کا تحفہ سمجھ لو۔

عاشی نے اسکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔

تحفہ آپ کے لیے ہے آپ کو آگر مجھے کچھ دینا ہے تو اپنی پسند سے کچھ لے کے دیں۔

یہ آپ پہنیں گئیں تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔

اور میں تو بھول بھی گی تھی۔۔۔

کہ کوئی جوڑا تھا۔

اب قسمت سے کون لڑ سکتا ہے اگر مزید آپنے ضد کی تو میں آپ سے لڑائی کر لوں گی۔

لحاظہ آپ ریڈی ہوں میں اپنا سامان لے کر آتی ہوں

وہ کہتے ہوئے باہر کی جانب بڑھ گئی۔۔۔

عاشی اسے دیکھ کر رہ گئی۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

عرشی کی عاشق سے بات ہوتی رہتی تھی۔

اب تو ٹاپک بھی اچھا تھا عاشی کی شادی۔

وہ اسے باتیں سناتی رہتی اور وہ سنتا رہتا۔

پر اس پورے ہفتے میں بہت سارے میسج دیکھنے کے بعد بھی وہ ریپلائی نہیں کر پا رہی تھی۔۔۔

وہ عاشی اور جیا کہ ساتھ ابھی ابھی پالر سے آئی تھی۔

گلڈن او ریڈ کلر کی کامدار بھاری فراک میں ریڈ لپ سٹک لگائے وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

اسکے کانوں میں ہلکورے کھاتا جھمکا کئی دیکھنے والوں کے دل کی تار چھیڑ جاتا۔

وہ آج ہر کسی کی نگاہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

وہ عاشی کے ساتھ سٹیج پہ بیٹھی ہوئی تھی جب دھڑا دھڑ

پیغامات کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی

کہاں ہیں آپ مجھے اگنور مت کریں۔

مجھ سے تھوڑی سی ہی بات کر لیں۔

اور اسی قسم کے بہت سارے میسج یہ بندہ بھی نہ اندھادھند میسج کرتا ہے۔

اسنے کوفت سے سوچا۔

میں اس وقت بہت مصروف ہوں تھوڑی دیر بعد بات کریں گے۔

عرشی نے ایک نظر عاشی کو دیکھا جو جیا سے کوئی بات کرنے میں مصروف تھی

اور پھر سینڈ کا بٹن دبا دیا۔

مجھے بہت ضروری بات کرنی ہے آپ سے پلیز۔۔

وہ اب منتیں کر رہا تھا۔

دیکھیں میں تھوڑی دیر میں بات کرتی ہوں۔

اسنے سامنے سے اتے عاشر اور جہانزیب کو دیکھا اور جگہ چھوڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں انتظار کر رہا ہوں۔

ایک اور میسج یہ بندہ چپ نہیں کرے گا۔

عاشر اور جہانزیب اب اپنی اپنی دلہنوں کے برابر بیٹھ چکے تھے۔

تم کہاں کھوئی ہوئی ہو۔

جہانزیب نے اسے پکارا۔

آپ کے سامنے ہوں۔

اسنے جلدی سے موبائل سے نظریں ہٹا کر اسے پاور آف کیا۔

اور انھیں دیکھ کر مسکرائی

گڈ۔۔۔۔

دودھ پلائی کی رسم صباحت بھابھی کر رہی تھیں۔

ہاں بیٹا اب آیا نہ اونٹ پہاڑ خے نیچے۔

تم نے پچاس ہزار نکلوائے تھے چلو اب ڈبل کر کے واپس کرو۔

وہ عرشی کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

میرے ہوتے ہوئے آپ کو دس ہزار بھی مل جائیں کافی ہے۔

عرشی ایک ادا سے کہتے ہوئے عاشر بھائی کے قریب بیٹھی۔

عاشر چلو دودھ پیو۔اور پیسے نکالو۔

وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

میں اتنا مہنگا دودھ آفورڈ نہیں کر سکتا۔

میں ان پیسوں سے اپنی بھینس خرید لوں گا۔

عاشر نے دودھ کا گلاس واپس ٹیبل پہ رکھا۔

اور اسے چارہ عرشی ڈال دیا کرے گی۔

سمیر نے عرشی کے بال کھنچتے ہوئے لقمہ دیا۔

سمیر کی بات پہ قہقہہ پڑا تھا۔

اور پھر اس بھینس کے بچے ہوں گے اسکا باڑہ سمیر سنبھالے گا۔

عرشی نے سمیر کو گھورا۔

اور پھر سب کو دیکھ کے مسکرائی۔

اور عر5سی مجھے اسسٹ کرے گی۔

سمیر نے عرشی کو آنکھ ماری۔

ایک بار پھر سب ہنس پڑے تھے۔

عرشی بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

بھئی آپ لوگ بزنس پلاننگ بعد میں کرنا پہلے ہمارے پیسے نکالو۔۔۔

صباحت بھابھی نے گلاس پھر سے عاشر کے ہاتھ میں تھمایا۔

اور پھر بہت بحث مباحثے کے بعد بات چالیس ہزار پہ ختم ہوئی تھی۔

عرشی اس بات پہ خوش تھی کہ ونر وہ ہی تھی جس نے جہانزیب کی جیب سے پچاس ہزار نکلائے تھے۔۔۔

دودھ پلائی کے بعد اب سب دولہا دولہن کو سلامی دے رہے تھے۔

عرشی وہاں سے اٹھ کر سائیڈ پہ آ گئی۔

یہاں رش تقریبا نہ ہونے کے برابر تھا۔

ایکسکیوز می۔

وہ اپنا موبائل آن کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھی جب کسی نے اسے پکارا۔

عرشی نے گرن موڑ کر پیچھے دیکھا اور پھر پوری گھوم گئی۔

ارے آپ یہاں۔

وہ اب حیرانگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

اگر میں غلط نہیں تو عریشہ سبحان۔۔

وہ اسکا نام بھی یاد رکھے ہوئے تھا۔

وہ اسی طرح خاموش کھڑی رہی۔

لگتا ہے آپ نے مجھے نہیں پہچانا اسکی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔

مسٹر داود شیراز احمد میں اس بات پہ حیران ہوں کہ اب تک میں آپکو یاد ہوں۔

وہ اب کے کھل کے مسکرائی۔

آپ کا چہرہ اتنا عام تو نہیں کہ محض چھ ماہ میں آپ کو بھلا دیا جائے۔

وہ جاندار مسکراہٹ چہرے پہ سجائے بولا

آپکی یاداشت کی داد دینی پڑی گی۔

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

میں چہرے کبھی نہیں بولتا۔

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

آپ یہاں کیسے۔

وہ اپنی نگاہیں جھکا گئی۔

جانتی بھی تھی پھر بھی پوچھ لیا۔

جی جہانزیب شہباز میرا بیسٹ فرینڈ ہے اور آج اسکا ولیمہ۔

وہ بات کرتے کرتے رکا

آپ یہاں کیسے

وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

جہانزیب بھائی میرے ماموں کے بیٹے ہیں۔

اور مسسیز جہانزیب میری سسٹر۔

اسنے مسکراتے ہوئے کہا۔

ارے واہ آپ بھابھی کی سسٹر ہو۔۔۔

وہ ایکسائٹیڈ ہوا۔

جی وہ بس ہولے سے مسکرا دی۔

واو گریٹ اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔

وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

جی بلکل آپ کراچی سے لاہور شادی اٹینڈ کرنے آئے ہیں کیا۔

وہ اب اسکی نگاہ کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

نہیں ایکچولی میں لاہور میں ہی رہتا ہوں اپنے بابا کی ڈئتھ کے بعد ان کا بزنس دیکھتا ہوں انھوں نے ایک فرم کراچی میں کھولی تھی

اس لیے ایک پاوں یہاں تو دوسرا وہاں بہت جلد وہ سب میں وانڈ آپ کرنے والا ہوں۔

داود نے اسے تفصیل بتائی۔

اوکے میں اب جہانزیب سے مل لوں پہلے ہی بہت ناراض ہے وہ۔۔۔

آپ سے تو اب ملاقات رہے گی۔

وہ مسکراتے ہوئے اس سے معذرت کرتا آگے بڑھ گیا۔

اتنا بھی کھڑوس نہیں۔

عرشی نے اسے جاتے دیکھا اور دل میں سوچا۔

تم یہاں کھڑی ہو اور میں نے پورا حال چھان مارا۔

داود کے جاتے ہی سمیر اسے پاس آیا تھا۔

آنکھیں ہوں تو نظر آئے نہ بٹن ہیں یہ تو یہاں ہی ہوں مجھے کہاں جانا ہے۔

وہ اسکی طرف دیکھ کے بولی۔

یہ موصوف کون تھے۔

جن سے تم باتیں کر رہی تھی۔

سمیر نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

جہانزیب بھائی کے دوست تھے۔

وہ لاپرواہی سے بولی۔

جہانزیب بھائی کے دوست کو تم سے کیا کام۔

سمیر نے اس سمت دیکھتے ہو ئے کہا جہان سے داود گذرا تھا

کچھ دیر پہلے۔

وہ رمشا کے کزن بھی ہیں

تو وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

تو یہ کہ تم میرا انٹر ویو کیوں کررہے ہو وہ کام بتاو جس کام کے لیے آئے ہو۔

تم پہلے پورا قصہ بتاو پھر میں بتاون گا۔

میں ان سے رمشا کی پارٹی پہ ملی تھی مجھے دیکھا تو پہچان لیا حال احوال کرنے لگے اور کیا۔

اب تم بتاو۔

وہ منہ بنا کر بولی۔

اچھا اچھا تمھیں بڑے ابا بلا رہے ہیں۔۔۔

وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

وہ بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔

سامنے عجیب ہی منظر تھا سبحان احمد اور شایان احمد دونوں سٹیج پہ کھڑے تھے وہ دونوں پہنچے تو انہیں بھی اوپر بلایا۔

وہ حیرانگی کے عالم میں چلتی ہوئی ان کے قریب جا کے کھڑی ہوئی۔

شایان اور سبحان احمد دونوں نے باری باری ان کے سر پہ ہاتھ رکھا وہ دونوں ہی حیران اور پریشان تھے۔

یہ کیا ہو رہا ہے

عرشی نے ہاتھ سے سمیر کو اشارہ کیا۔

مجھے بھی نہیں پتہ۔

سمیر نے بھی اپنی گردن ہلاتے ہوئے اپنی کا لاعلمی اظہار کیا۔

وہ بھی سیدھی کھڑی ہو گئی کی دیکھیں کیا ہوتا ہے۔

میں اپنے بیٹے سمیر کا رشتہ عرشی سے طے کرنا چاہتا ہوں۔

شایان احمد پیار سے عرشی کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

چھت عرشی کے سر پہ آگری تھی۔

سمیر کا بھی رنگ اڑا تھا۔

اور مجھے کوئی اعتراض نہیں۔

سبحان احمد نے محبت سے آگے بڑھتے ہوئے سمیر کو گلے لگایا۔

سمیر میں تو مانو جان ہی باقی نہیں بچی تھی۔

زمین پیرون کے نیچے سے کیسے نکلتی ہے دونوں کو اب پتہ چلا تھا۔

یہ تو اعلان ہے باقاعدہ رسم ہم بعد میں کریں گے۔

سبحان احمد اب اگلا اعلان کر رہے تھے۔

عرس5ی کو انکی آواز بہت دور سے آتی معلوم ہو رہی تھی۔

ان دونوں کی نظریں ملیں اور پھر دونوں نے نظریں چرا لیں۔

پورا حال خوشی سے تالیاں بجانے لگا تھا۔

جن میں داود شیراز بھی شامل تھا۔

عرشی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

وہ تیزی سے سٹیج سے اتر گی۔

سمیر نے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

اسے ردا کا خیال آیا

اسکے ہونٹوں نے ہولے سے اسکا نام پکارہ ردا۔۔۔۔۔

عرشی ایک خاموس کونہ ڈھونڈھ کر ایک کرسی پہ ڈھے گئ تھی۔

اسکی آنکھیں بھر آ رہی تھیں پر وہ اس وقت رو کے اپنا تماشہ نہیں بنانا چاہتی تھی۔

سو ٹیبل پی سر رکھ کے بیٹھ گئ۔

وہ یوں ہی کافی دیر چہرہ ٹیبل پہ ٹکائے بیٹھی رہی تھی۔

بہت بہت مبارک ہو آپکو۔

ایک مانوس سی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی۔

اسنے اپنے آنسو اندر اتارتے ہوئے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

داود شیراز اپنی پاکٹس میں ہاتھ ڈالے اسکے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

شکریہ۔

وہ جبرا اپنے ہونٹوں پہ مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولی۔

تم لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہو خوشی کی بات پہ بھی آنکھیں بھیگ جاتیں تم لڑکیوں کی۔

وہ اسکی سرخ ہوتی آنکھوں کو حیرت سے دیکھتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھا۔

داود شیراز احمد تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ خوشی کی بات ہے۔

عرشی نے دل میں سوچا۔

نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں میں کب رو رہی تھی۔

وہ فورا سیدھے ہوتے ہوئے بظاہر خود کو بارمل کرتے ہوئے بولی۔

داود بس مسکرا کر رہ گیا۔

رمشا بہت ذکر کرتی ہے تمہارا اور سمیر کا اچھی انڈر سٹینڈنگ ہے تم لوگوں کی۔

وہ اپنے بازو میز پہ ٹکاتے ہوئے آگے کو جھکا۔

انڈرسٹینڈنگ ہی سب کچھ نہیں ہوتی۔

وہ کہنا چاہتی تھی پر پھر خاموشی سے ٹیبل پہ رکھے اپنے ہاتھ پیچھے ہٹا لیے۔

داود نے اسکی اس حرکت کو نوٹس کیا تھا۔۔

اسکی خاموشی اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ وہ مزید بات نہیں کرنا چاہتی۔

اوکے میں پھر چلتا ہوں زندگی رہی تو پھر ملاقات ہوگئی۔

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

اوکے ان شاء اللہ۔اللہ حافظ

عرشی نے رسمی سے مسکراہٹ کے ساتھ اسے الوادع کہا۔

اور جاتے ہوئے اسکی پشت کو دیکھتی رہی۔

یہ سمیر کہاں ہے۔

اسکے جاتے ہی اسے یاد آیا تھا۔

اسنے اسکی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔

پر وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

اسنے مایوس ہوتے ہوئے پریشانی سے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورے چار ماہ ہونے کو آئے تھے

عرشی اور سمیر میں میں اب وہ بے تکلفی نہیں رہی تھی۔

عرشی نے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی تھی پر وہ ٹھیک سے بات ہی نہیں کرتا تھا۔

لاہور سے واپس آنے پر عرشی کو لگا تھا کہ وہ ہنگامہ کرے گا۔

پر وہ تو چپ سادھ کہ بیٹھ گیا تھا۔

عرشی کوئی بات کرتی تو جواب دے دیتا ورنہ خود سے اسے مخاطب بھی نہیں کرتا۔

جب وہ اسے تنگ کرتا تھا وہ چڑتی تھی۔

اور اب یہ موومنٹ کو مس کر رہی تھی۔

وہ کبھی یوں ہی بیٹھے بیٹھے اپنی شرارتوں کو یاد کر کے ہنسنے لگتی اور کبھی رو پڑتی

عرشی نے اپنا سب سے پیارا دوست کھو دیا تھا وہ سب سے کھنچی کھنچی رہتی تھی کالج سے گھر اور گھر میں صرف اپنے کمرے میں ہی پائی جاتی تھی۔

جب دل گھبراتا تو باہر آ کر صحن میں بیٹھ جاتی۔

نہ اسے ٹھنڈ کی پرواہ ہوتی نہ گرمی کی۔

سمیر اسے نظر انداز کر کے گزر جاتا۔

اور وہ بس دیکھ کر رہ جاتی۔

جیا اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی کبھی دل چاہتا تو بات کرتی ورنہ خاموشی سے سنتی رہتی۔

بڑوں نے اس کو شر و حیا کا نام دے دیا تھا۔

انھوں نے نوٹس ہی نہیں کیا کہ وہ کس قدر پریشان تھے۔

عرشی کو ردا کا خیال آتا اور پھر یہ سوچ کر وہ اور بھی پریشان ہو جاتی کہ وہ بن چاہے کسی کی زندگی میں شامل ہو رہی تھی۔

کسی کی محبت اس سے چھین رہی تھی۔

پر سمیر بھی تو کوئی سٹینڈ لے وہ کیوں خاموش ہے۔

آج تو میں اس سے بات کر کے رہوں گی۔

وہ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ ابھی ابھی اکیڈمی سے آیا تھا۔

شگفتہ چچی اماں کے پاس بیٹھیں تھیں۔

اور شایان احمد ابھی گھر ہی نہیں آئے تھا۔

وہ اپنی چادر درست کرتی اوپر چلی آئی۔

سمیر کے روم کا دروازہ کھلا تھا۔

وہ ہمت کر کے اندر داخل ہو گئی۔

وہ ٹی وی کا ریموٹ ہاتھ میں لیے بیڈ پہ بیٹھا تھا۔

سامنے کسی میچ کی ہائی لائٹس چل رہیں تھیں۔

مگر سمیر کہیں اور ہی کھویا تھا۔

سمیر عرشی نے اسے آہستہ سے پکارا۔

وہ چونکتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔

ارے تم آو بیٹھو۔

وہ مسکراتے ہوئے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

آج کوئی شرارت نہیں تھی۔

وہ تکلفات نبھا رہا تھا۔

عرسی کو وہ اجنبی محسوس ہوا۔

تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔

وہ اسکے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

وہ ٹی وی آف کرے اسکی طرف متوجہ ہوا۔

تم سے کئی بار بات کرنا چاہی اور تم نے ہر بار کبھی بات سنی ہی نہیں اور کبھی ویسے ہی ٹال دیا۔

میں آج کوئی بہانہ نہیں سنوں گی۔

آج بس فیصلہ ہو گا۔

وہ اپنے ہاتھوں کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

وہ لمحہ آن پہنچا تھا جس سے سمیر ڈر رہا تھا۔

کیسا فیصلہ سمیر نے عرشی کی طرف دیکھا۔

یہ کہ تم اپنی محبت سے اتنی آسانی سے دستبردار کیسے ہو سکتے ہو۔

اس منگنی کو تم نے اتنی آسانی سے قبول کر لیا۔

ردا کو چھوڑتے ہوئے ایک بار تو سوچا ہوتا۔

وہ اب اسکی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

سمیر نے اسکی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بغور دیکھا اور نظریں جھکا گیا۔

تم اتنے بزدل نکلو گے اندازہ نہیں تھا مجھے۔

وہ بات کرتے کرتے خاموش ہوئی۔

میں نہ بے وفا ہوں نہ ہی بزدل ایک ایسا تیراک ہوں جس کے ہاتھ پیر باندھ کے اسے سمندر میں پھنک دیا گیا ہے۔

اور اوپر سے پریشر ہے کہ تیر کے اس پار جاو۔

بتاو عرشی کیا کروں میں۔

اس سے پہلے کے عرشی کچھ اور بولتی وہ مشتعل ہوا۔

وہ غصہ بہت کم کرتا تھا۔

عرشی نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

تم عرشی تم میری کزن میری ہمراز میری سب سے اچھی دوست مجھے سمجھ نہیں پائی میں کسی اور سے کیا گلہ کروں۔

سمیر نے اپنا سر ہاتھوں میں تھاما۔

عرشی اب بھی حیران تھی آج سے پہلے تو سمیر اس طرح دلبرداشتہ نہیں ہوا تھا پھر آج کیوں۔

میں ردا کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

اور تم۔۔۔۔

وہ بات کرتے کرتے خاموش ہوا۔

عرشی اب بھی خاموش تھی وہ چاہتی تھی کہ سمیر آج سب کچھ بول دے۔

لاہور سے آتے ہی میں نے ابا سے بات کی تھی۔

وہ بات کرتے کرتے روکا اور ایک نظر خاموش بیٹھی عرشی کو دیکھا۔

انھوں نے میری بات نہیں مانی۔

وہ بات مکمل کر کے نظریں جھکا گیا۔

اور تم نے چپ چاپ ان کے انکار پہ سر جھکا دیا۔

عرشی نے اپنے غصے پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

ہاں۔۔۔

جواب مختصر تھا۔

تم اور اتنی اسانی سے بحث چھوڑ دو میں مان ہی نہیں سکتی سمیر احمد۔

وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی۔

میں رشتے نہیں چھوڑ سکتا سو مجھے بحث چھوڑنی پڑی۔

وہ سنجیدگی سے بولا۔

کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔

عرشی تمہاری ضد بڑے ابا پہ گئی ہے کئی بار مجھ سے تمہیں ہینڈل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

تو سوچو جو بڑے ابا کے خلاف جائے گا اس کا کیا ہو گا۔

وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

سمیر پوری بات بتاو مجھے سمجھ نہیں آ رہا کس بات کے پریشر میں آ گئے تم۔

عرشی اس کے ہار ماننے پر اور بھی پریشان ہو گئی تھی۔

اگر یہ بات بڑے ابا کو پتہ چلی کے میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا میرے ساتھ جو وہ کریں گے اسکی پروا نہیں

ہے مجھے پر ابا سے وہ تعلق ہمیشہ کے لے توڑ دیں گے۔

اور اس صورت میں ابا نے کہا ہے کہ وہ میری شکل مرتے دم تک نہیں دیکھیں گے۔

بتاو مجھے میں کیا کروں۔

میں نے کھو دیا آپنی محبت کو۔۔۔

وہ اپنے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے رو دیا۔

عرشی اٹھ کے اسکے قریب بیٹھی۔

سوری سمیر میں سمجھ سکتی ہوں سب۔۔۔

سب لوگوں کو پتا ہے ایسے میں ابا اپنی انسلٹ قبول نہیں کریں گے پر تم مجھے بتاو میرا کیا قصور تمنے مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دی۔

وہ اسکے دونوں ہاتھ اسکے چہرے سے ہٹاتے ہوئے بولی۔

میں تم سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔

سوری عرشی میں نے کبھی تمہارے بارے میں ایسا نہیں سوچا۔

وہ نظریں اپنے ہاتھوں پہ مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

تم اس سب سے باہر آ جاو اس امید کے ساتھ کہ ردا صرف تمہاری ہے کیا ہوا جو تم مجبور ہو۔

میں تو مجبور نہیں ہوں۔

میں تمہیں اور ردا کو اتنی آسانی سے الگ نہیں ہونے دوں گی۔

عرشی نے پریقین لہجے میں کہتے ہوئے اسکے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

وہ اسے دیکھ کر مسکرا کے رہ گیا۔

باہر کچھ گرنے کی آواز آئی تھی۔۔

عرشی نے اپنا ہاتھ ہٹاتے ہوئے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔

کچھ نہیں بلی ہو گی۔

سمیر لاپرواہی سے بولا۔

اچھا میں چلتی ہوں بعد میں بات کرتے ہیں۔

وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

جس چیز کا فائدہ نہ ہو اس پہ بات کر کے کیا حاصل۔

وہ مایوسی سے بولا۔

خاموش رہ کر بھی کوئی فائدہ نہیں بات کرنے سے کچھ فائدہ نہ سہی نقصان بھی نہیں ہو گا۔

وہ کہتی ہوئی باہر کی جانب بڑھ گئی۔

سمیر اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا

✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤✤

وہ پچھلے چار ماہ سے عرشی سے کوئی بہت ضروی بات کرنے کی فرمائش کر رہا تھا۔

اور وہ اپنی ہی پریشانی میں گم اسے ٹالتی جا رہی تھی۔

آج تو اسنے ضد پکڑ لی تھی کہ وہ بات کر کے رہے گا۔

عرشی پہلے ہی پریشان تھی۔

آج تو اسنے سوچ لیا تھا کہ آج اس مسٹر عاشق سے فائنل بات کر کے رابطہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دے گی۔

پرابلمز پہلے ہی بہت تھیں وہ اب مزید افورد نہیں کر سکتی تھی۔

جی فرمائیں کیا بات کرنی ہے آپکو مجھ سے۔

عرشی راکنگ چیئر پہ بیٹھی جھول رہی تھی۔

کیا کال پہ بات ہو سکتی ہے۔

دوسری طرف سے التجا کی گئی تھی۔

نہیں۔۔

عرشی نے صاف انکار کیا۔۔۔

بہت دیر تک جواب نہیں آیا تھا۔

تقریبا پانچ منٹ کے بعد اسے ایک لمبا سا میسج موصول ہوا تھا۔

آئی نو آپ مجھ سے کال پہ بات نہیں کریں گیں۔

اس لیے میں زیادہ اصرار بھی نہیں کروں گا صاف اور سیدھی بات کروں گا۔

مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔

اور میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

آپ یقین یہ سوچ رہی ہوں گی کہ بنا دیکھے محبت اور شادی کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔

مجھے آپ کو دیکھنے کی چاہ ہرگز نہیں ہے۔

آپ جیسی بھی ہیں مجھے قبول ہیں۔

میں نے آپکی نیچر اور آپکی باتوں کی خوبصورتی سے محبت کی ہے۔

مجھے چہروں کی خوبصورتی اٹریکٹ نہیں کرتی روح کی خوبصورتی کرتی ہے۔

اور ماہ گل تم خوبصورت روح کی مالک ہو۔

اگر اجازت دو تو میں اپنے گھر والوں کو بھجنا چاہتا ہوں۔

تمہارے جواب کا منتظر۔۔۔۔۔۔۔۔

عرشی نے اس ایک میسج کو کئی بار پڑھا تھا۔

وہ کیا کہے وہ سوچتی رہی تھی۔

میری محبت کو ٹھکرانے سے پہلے ایک بار یہ سوچ لینا۔

کہ کسی کی محبت کو روندھنے والے محبت کے لیے ترسا کرتے ہیں۔

دوسری طرف کچھ زیادہ ہی بے صبری تھی۔

عرشی کو اس کی بات پہ غصہ آیا تھا۔

میرا نکاح ہو چکا ہے۔

عرشی نے کانپتے ہاتھوں سے اسے جواب بھیجا۔

دوسری طرف سناٹا چھا گیا تھا۔

ابھی کالج سے واپس آئی تھی۔

کھانا کھا کر آرام کی غرض سے لیٹی۔

وہ ابھی بھی اپنے اور سمیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

ایسا کیا کیا جائے کے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

موبائل کی رنگ ٹیون نے اسکی سوچوں کا تسلسل توڑا تھا۔

اسنے موبائل چیک کیا کال رمشا کی تھی۔

وہ آج کالج نہیں آئی تھی۔

آج کسلج سے چھٹی کی خیرت تھی نہ۔

عرشی نے سلام دعا کے بعد پوچھا۔

ہاں یار ایک جگہ داود بھائی کا رشتہ دیکھنے جانا تھا۔

پھوپھو مجھے بھی ساتھ لے گئیں۔

رمشا نے اسے اپنے نہ آنے کا سبب بتایا۔

اچھا تو کیا بنا پھر۔

عرشی کشن سینے سر کے نیچے رکھتی ہوئی بولی۔

کیا بنانا ہے یار پھوپھو کو کوئی لڑکی پسند نہیں آ رہی جو ایک آئی تھی اسکی منگنی کہیں اور ہو گئی۔

رمشا منہ بنا کر بولی۔

اچھا اور وہ لڑکی کون تھی۔

عرشی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

تم اور کون۔

رمشا نے روانی میں کہا۔

بہت اچھا مذاق ہے۔

عرشی کو پہلے تو حیرت ہوئی بعد میں اسنے بات ہنستے ہوئے ہوا میں اڑا دی۔

مذاق نہیں سچ میں پھوپھو اتنا سیڈ ہوئیں تھیں تمہاری انگیجڈ منٹ کا سن کے۔

ہم لوگ بات کرنے والے تھے اندازہ نہیں تھا کہ۔

رمشا نے افسردگی سے کہا۔

تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا اس بارے میں۔

عرشی اٹھ کے بیٹھ گئی۔

بات ہی ایسی تھی۔

یار کیا کہتی جو بات ہے بڑوں نے کرنی تھی۔

منگنی ہوئی ہے نکاح نہیں تم لوگ اب بھی ٹرائے کر سکتے ہو۔

عرشی کچھ سوچتے ہوئے انگی کی مدد سے بیڈ پہ نقش و نگار بناتی بولی

دنوں طرف کافی دیر خاموشی چھائی رہی تھی۔

عرشی تمہارا دماغ ٹھیک ہے

رمشا آچھل ہی پڑی تھی اسکی بات پہ۔

عرشی کو راستہ دیکھائی دے گیا تھا۔

جب اللہ خود موقع دے رہا تھا تو وہ کیوں ضائع کرتی۔

ہاں تم بے شک کل پرسوں میں انھیں بھیج دو انکار نہیں ہو گا۔

عرشی پر سوچ نظریں سامنے دیوار پہ جمائے بولی۔

عرشی یہ سب آسان نہیں تم سوچ لو۔

رمشا متفکر تھی وہ عرشی کی جذباتیت سے اچھی طرح واقف تھی۔

رمشا تم جانتی ہو میں جو کہتی ہوں کرتی بھی ہوں سو پلیز تم انھیں پرسوں بھیج دو۔

عرشی نے کہتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا۔

موبائل کے خالی انبکس خو دیکھ کر اسے عاشق یاد آیا۔

چلو اس کے سر سے بھی عشق کا بھوت اتر گیا اب کہی ں اور ٹرائے کر رہا ہو گا۔

نہ دیکھا نہ ملنے کی خوہش ایسے ہی۔

پاگل۔

وہ اسکے بارے میں سوچ کر مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صحن میں بے چینی سے ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے۔

بے تابی سے سمیر کا انتظار کر رہی تھی۔

رمشا کو کہہ تو دیا تھا اب اگلے مرحلے سب اسنے خود طے کرنے تھے۔

سمیر سے بات کی تو وہ منع کر دے گا اور پھر سب دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔

اور پھر رمشا کو کیا جواب دوں گی۔

پہلے ابا سے بات کرتی ہوں۔

وہ سوچتے ہوئے واپس کمرے میں چلی گئی۔

اور جب تک سبحان آحمد گھر نہیں آ گئے مختلف جملے اور تمہیدیں سوچتی رہی۔

سب لوگ کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے جب وہ ہمت مجتمع کرتے ہوئے اماں اور ابا خے کمرے میں داخل ہوئی۔

اماں ابھی نماز پڑھ رہیں تھیں۔

اور ابا کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

ارے آو عرشی کیا بات ہے آج بابا کی یاد کیسے آ گئی۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بہت خوش ہوئے تھے۔

عرشی کو اپنا ارادہ کمزور پڑتا محسوس ہوا۔

کوئی کام تھا بیٹا۔

اماں نے سلام پھر کر دور سے اسے دم کیا اور پیار سے بولیں۔

اسنے آخری بار ان پیار لٹاتے چہروں اور خوشی سے چمکتی آنکھوں کو دیکھا۔

اب کچھ ہی دیر میں ان کے رنگ بدلنے والے تھے۔

آو میرے پاس بیٹھو۔

سبحان احمد کتاب بند کرتے ہوئے بیڈ پہ اپنے اسکے لیے جگہ بنائی۔

نہیں میں یہیں پہ ٹھیک ہوں۔

قریب جاتی تو ان سے بات کیسے کر پاتی۔

وہ بس مسکرا کے رہ گئے۔

عرشی نے اس مسکراہٹ کو جی بھر کے دیکھا۔

چلو بتا کیا بات ہے۔

وہ اب اسکی طرف دیکھ رہے تھے۔

میں سمیر سے شادی نہیں کروں گی۔

عرشی نے نظریں زمین پہ مرکوز کرتے ہوئے کہا۔

اسنے قہقہے کی آواز پر سامنے دیکھا۔

سبحان احمد ہنس رہے تھے۔

اماں بھی دعا منگتے ہوئے مسکرا دیں۔

وہ حیران کھڑی دونوں کو دیکھتی رہی۔

کوئی لڑائی ہوئی ہے کیا۔

پچپنہ چھوڑ دو اب بڑے ہو جاو۔

کوئی لڑائی نہیں ہوئی ہماری

سبحان آحمد کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

عرشی نے اب وہ بات کرنے کا فیصلہ کیا جو وہ کرنے آئی تھی۔

ابا میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے شادی کرنا

چاہتی ہوں۔

وہ آنکھین بند کئے بس بول گئی۔

اور جھوٹ بھی اتنی مہارت سے بولا کے وہ اپنی بیٹی کا جھوٹ پکڑ ہی نہیں پائے۔

کیا کہا تم نے اماں مصلہ وہیں چھوڑ کہ اب اس کے سر پہ کھڑیں تھیں۔

عرشی کو لگا کہ وہ زیادہ تکرار نہیں کر پائی گئی۔

مقدمہ ہار جائے گی۔

جو آپ نے سنا۔

وہ ہمت نہیں ہاری

اسنے چپکے سے سامنے ابا کو دیکھا۔

انکا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑ چکا تھا۔

عرشی نظریں جھکا گئی۔

تم اپنے ہوش میں تو ہو۔

اماں نے اسے بازو سے پکڑ خر جھنجھوڑ ڈالا۔

میں اپنے پورے ہوش وحواس میں ہوں۔

کل وہ لوگ رشتہ لے کر آئیں گے انکار نہیں ہونا چاہیے۔

وہ اماں کو دیکھتے ہوئے مضبوطی سے بولی۔

اب تم مجھے حکم دو گی۔

اماں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر دیں۔

مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا۔

انکار کی صورت میں نتائج کے ذمے دار آپ ہوں گے۔

نجانے وہ یہ سب کیسے کہتی چلی گئی۔

اتنی ہمت کہاں سے آ گئی تھی۔

اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ ان دونوں کا چہرہ دیکھے۔

اگر وہ لوگ خالی ہاتھ گئے۔اس سے پہلے کہ وہ اپنی طات مکمل کرتی ایک زناٹے دار تھپڑ نے اسکا منہ بند کر دیا تھا تھا۔

انگلیوں کے نشان اس کے گال پہ ثبت ہو گئے تھے

سبحان احمد نے آنکھیں زور سے بند کیں۔

اب تم ہمارے سر میں زمانے بھر کی خاک ڈالو گی۔

تم بتاو گی کہ ہمیں کیا کرنا ہے کیا نہیں۔

تم پیدا ہوتے مر جاتی یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔۔۔

دفع ہو جاو یہاں سے اماں روتے ہوئے بولیں۔

وہ اپنے گال پہ ہاتھ رکھے اپنے آنسو روکتی باہر کی جانب بھاگ گئی۔

اماں وہیں زمین پہ بیٹھ کر رونے لگیں

سبحان احمد میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ انھیں تسلی دیتے۔۔۔

آج سے پہلے کبھی عرشی پہ کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔

اس بار غلطی اسکی تھی سو وہ خاموش رہی۔

راستے میں دھند لائی آنکھوں سے چلتے ہوئے کئی بار اسنے ٹھکر کھائی تھی

سامنے کا راستہ کہیں بھی صاف نہیں تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی جو وہ کر آئی تھی ٹھیک تھا یا نہیں۔

اسے اس وقت جو سوجھا اپنی جزباتی طبعیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کر دیا۔۔۔

اور اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پہ گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

پوری رات رونے کی وجہ سے اب عرشی کی آنکھیں سوج کر سرخ ہو رہی تھیں۔

وہ ناشتہ کی ٹیبل پہ نہیں گئی۔

اسے خسی نے بلایا بھی نہیں۔

ابھی سے ساری اجنبی ہو گئے۔

وہ سوچ کر پھر سے رونے لگی۔

اب جو کر دیا تھا اسکا خمیازہ تو بھگتنا ہی تھی۔

وہ منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے مار کر باہر آ گئی تھی۔

سب لوگ ناشتے کی ٹیبل پہ گم سم بیٹھے تھے۔

عاشر بھائی جا چکے تھے۔

جیا ناشتہ لگا رہی تھی۔

آج گھر میں معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔

یا اسے محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اور ابا اکثر ناشتے کی میز پہ حالات حاضرہ پہ بات کرتے پھر وہ ابا کو چائے بنا کر دیتی۔

بہت سی باتیں ہوتیں۔

اماں اسے ٹوکتیں۔

راشر اور سمیر سے گپ شپ سب کہیں کھو گیا تھا۔

ایک ابا تھے آج وہ بھی۔

وہ آنسو صاف کرتی آگے بڑھی میز سے چائے کا کپ آٹھا کر اس میں چائے انڈیلی اور ابا کے سامنے رکھی۔

وہ بنا اسکی طرف دیکھے اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

کسی نے آری سے اسکے دل کے ٹکڑے کیئے تھے۔

ابا کا ایسا رویہ اسنے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ تو ابا کی لاڈلی تھی۔

اور بنا اس پہ ایک بھی نگاہ ڈالے آگے بڑھ گئے۔

عرشی نے لڑکھڑاتے ہوئے کرسی کا سہارہ لیا۔

بسپ کو سکون سے ناشتہ تو کرنے دیتی۔

اماں نے غصے سے اسکی طرف دیکھا۔

اوہ بمشکل اپنے آنسو روکے کھڑی تھی۔

ٹھیک ہے بی بی تم خوش رہو ہم چلے جاتے ہیں۔

اماں نفرت سے کہتیں اٹھ کر چلیں گئیں۔

وہ ان کی پلٹس کو دیکھنے لگی کسی نے بھی دو سے تین نوالے سے زیادہ نہیں کھایا تھا۔

وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو دی۔۔۔

سمیر نے ابا کا جانا اماں کا ڈانٹنا اور عرشی کا رونا سب دیکھا تھا۔

وہ آج کالج نہیں گیا تھا۔

اب بھی کسی کام سے باہر جا رہا تھا کہ۔۔۔۔

کیا ہوا ہے ان سب کو اور تمھیں

وہ اپنا کام بھول کر عرشی کے قریب جا کھڑا ہوا۔

عرشی یوں ہی مسلسل روتی رہی۔

سمیر کو کچھ غلط ہونے کا آحساس ہوا۔

اسنے ایک نظر مڑ کر کچن میں کام کرتی جیا کو دیکھا اور پھر زبردستی اسکا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گیا۔

اس دوران بھی اسکا رونا کم نہیں ہوا تھا۔

بتاو کیا ہوا ہے جلدی۔

وہ اسے صوفے پہ بٹھاتا ہوا خود بھی اسکے برابر بیٹھا۔۔

عرشی نے آنسوؤں کے درمیان سارا معاملہ کہہ سنایا۔

سمیر اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

تم اتنی جذباتی اور بے وقوف ہو سکتی ہو اسکا اندازہ نہیں تھا مجھے۔

یہ سب آسان لگ رہا ہے تمہیں۔

تمہیں لگتا ہے کہ تمہاری بات مان لی جائے گی۔

میں کچھ نہ کچھ کر لیتا تم یہ سب کیا کرنے لگ گئی ہو عرشی۔

وہ پریشان تھا اور اسے عرشی کی بےوقوفی پہ غصہ بھی آ رہا تھا۔

اب جو ہونا تھا ہوگیا اب دعا ہے کہ میں اپنے فیصلے پہ قائم رہوں۔

عرشی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی ہمت بندھائی۔

سمیر نے اسے گھور کر دیکھا۔

میں ابھی بڑے ابا کو سب سچ سچ بتانے جا رہا ہوں۔

وہ کہتا ہو اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

عرشی نے اسکا بازو پکڑ کر روکا۔

تم۔کسی سے کچھ نہیں کہو گے۔

وہ اسکے سبے کھڑی تھی۔

میں اس ملبے تلے تمہیں نہیں آنے دوں گا سب کو سب سچ بتاوں گا۔

وہ اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے بولا۔

اگر تم نے بنا میری اجازت ابا کو کچھ بھی کہنے کی کوشش کی تو میری مری کا منہ دیکھو۔

عرشی نے اسکا ہاتھ اپنے سر پہ رکھا اور جذباتیت سے بولی۔

وہ اتنی بڑی قسم پر گنگ رہ گیا تھا۔

اتنے احسان مت کرو کہ میں ان کا بار نہ اٹھا سکوں

وہ صوفے پہ ڈھے سا گیا تھا۔

یہ سب تم کیوں کر رہی ہو۔

سب کو اپنے خلاف کر کے بڑے ابا کی ضد کے سامنے ٹھہر نہیں پاو گئ تم

وہ پریشانی کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے بولا

میں بیٹی ہوں کچھ عرصے بعد معاف کر دیں گے تمہیں اور چچا کو نہیں۔

میں جانتی ہوں اپنے ابا کو۔

وہ اسکے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔

سمیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔

تم خوش رہ لو گی سب کے بغیر داود کے ساتھ۔

تم رہ لو گے ردا کے بغیر اسکا سوچو بس۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

تم خود اپنا نہیں سوچ رہی اور مجھے اپنا سوچنے کا کہہ رہی ہو۔

میں اتنا سیلفیش تو نہیں ہوں۔

وہ بہت دلبرداشتہ ہو رہا تھا۔

تم بس دعا کرو میں کامیاب ہو جاوں۔

ابا مان جائیں بس۔

ابا کا نام لیتے وہ پھر سے رو دی۔

تمہارے آبسو میرے دل پہ گر رہے ہیں ایک ایک آنسو کا مقروض ہو رہا ہوں میں ۔

اب اور نہیں بس کر دو تمہاری آنکھوں میں آنسو اچھے نہیں لگتے۔

وہ اسکے ہاتھ کی پشت کو تھپکتے ہوئے بولا۔

تم پریشان مت ہو اب نہیں رونا میں نے وہ اپنے آنسو صاف کرتی مسکرا دی۔

سمیر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کے کیا کرے۔

اس لیے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

□□□

عرشی اب بھی وقت ہے میں اسے تمہاری نادانی سمجھ کے معاف کر دوں گا۔

سبحان احمد اسکے کمرے میں آئے تھے۔

وہ گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی تھی۔

انھوں نے بلا تمہید بات شروع کی تھی۔

عرشی کا دل چاہا بھاگ کے ان کے گلے لگ جائے۔

روئے معافی مانگ لے۔

پر وہ یوں ہی بیٹھی رہی۔

تم ابھی چھوٹی ہو اتنی سمجھدار بھی نہیں ہو ہو جاتی ہے ایسی غلطی۔

تم بس ضد چھوڑ دو۔

اب وہ اسکے پاس بیٹھے نرمی سے سمجھا رہے تھے۔

یہ کوئی غلطی نہیں ہے میری پسند ہے اور اپنی پسند کا اظہار میرا حق ہے۔

وہ چہرہ گھٹنوں پر سے اٹھاتے ہوئے بولی۔

سبحان احمد کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔

تم اپنی ضد سے نہیں ہارو گی۔

وہ سنجیدگی سے بولے۔

آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں لوگ چار دن باتیں کریں گے پھر بھول جائیں گے۔

وہ روانی سے کہتی رو کی۔

سبحان احمد کی آنکھوں میں دکھ کا تاثر واضح تھا۔

عرشی کو خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

تم نے تو کہا تھا تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاو گی سب جھوٹ تھا کیا۔

سبحان احمد نے آخری کوشش کی۔

عرشی کے دل کو بہت تکلیف ہوئی تھی

ابا میری مجبوری ہے۔میں اسے بھی نہیں چھوڑ سکتی۔

وہ آپنے آنسووں پہ قابو پاتے ہوئے بولی

سبحان احمد کی پیشانی کے بل اور گہرے ہوئے۔

شرم سے ڈوب کے مر جا عرشی باپ کے سامنے

ایسی باتیں کرتیں لسج نہیں آتی تمہیں۔

یہ تربیت کی ہے ہم نے تمہاری۔

اماں جو کب سے باہر کھڑی تھیں صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو اندر اکر اس پہ برس پڑیں

۔

وہ بت بنی بیٹھی رہی۔

ٹھیک ہے میری ایک شرط ہے۔

وہ سنجیدگی سے بولے۔

میں تمہیں دو دن دیتا ہوں

تم سوچ لو اگر پھر بھی تمہارا جواب ہاں میں ہوا تو میں ساری عمر تمہاری شکل نہیں دیکھوں گا۔

تم بے شک اس گھر میں آو پر میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

مجھے دو دن کی ضروت نہیں میرا یہی جواب ہو گا۔

عرشی اندر سے ریزہ ریزہ تھی پر بظاہر اٹل لہجے میں بولی۔

سبحان احمد نے دکھ بھری نظروں سے اپنی لاڈلی بیٹی کو دیکھا۔۔۔۔

تو ٹھیک ہے کل وہ لوگ آئیں تو انھیں اگلے مہنے شادی کی ڈیٹ دے دیں۔

یہ جتنی جلدی اس گھر سے چلی جائے اتنا اچھا ہے۔

وہ غصے سے شاہدہ بیگم سے کہتے باہر چلے گئے۔۔۔

عرشی پہ تو ہر طرف سے پتھر آ رہے تھے وہ سب کی گنہگار تھی۔

شاہدہ بیگم غم وغصے کی کیفیت میں اسے دیکھتیں سبحان احمد کے پیچھے چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی عرشی بھی ڈھے سی گئی۔

اسے تھامنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

ایک مہنے بعد کی تاریخ طے پا گئی تھی۔

سبحان احند جتنے غصے میں تھے۔

ان کا بس چلتا تو ایک دن کے اندر اندر اسے رخصت کر دیتے۔

پر دنیا کے تقاضے بھی کوئی چیز ہوتے ہیں۔

وہ بس گھر کے ہو کر رہ گئے تھے۔

یہ گھر شادی والا گھر تو لگتا ہی نہ تھا۔

ایسے لگتا کسی کی موت کا ماتم منایا جا رہا ہے۔

شادی کی تیاری جیا نے کی تھی اور باقی کے کام عاشر اور سمیر نے مل کر سرانجام دیئے تھے۔

عاشر بس اس شادی کے کام ایک ذمے داری سمجھ کر رہا تھا۔

اس دن سے کسی نے عرشینکو مخاطب نہیں کیا تھا۔

بس جیا اسے بازار لے کر جاتی اور وہ کہیں اور ہی کھوئی ہوتی۔

وہ جس جوڑے پہ ہاتھ رکھتی اسی کے لیے ہاں کر دیتی۔

جب دل۔ہی خوش نہ ہو تو یہ سب اچھا نہیں لگتا۔

اسنے اتنے انمول رشتے کھو دیئے تھے

یہ چیزیں کیا معنی رکھتی تھیں۔

کل اسکی مہندی تھی۔۔۔۔۔

وہ پریشان تھی کیا کر دیا تھا اسنے کیا کر بیٹھی تھی۔

ابا اماں کو ناخوش کر کے وہ کیسے خوش رہے گی۔

اب کیا ہو سکتا تھا۔۔۔

مجھے ایک بار معافی مانگنی چاہیے کل تو میں چلی جاوں گی۔

ہو سکتا ہے ابا اپنی ضد چھوڑ کر معاف کر دیں۔۔۔۔

اگر وہ مان گئے تو باقی سب بھی مان جائیں گے

وہ ایسی باتیں سوچتی ہوئی ان کے کمرے تک گئی تھی۔

آپ نے اسکی بات مان کر ٹھیک نہیں کیا یہ سب آپ کے ناجائز لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔

ہر بات مان کر اسکی عادت خراب کر دی اسے اپنی منوانے کی عادت پڑ گئی ہے۔

میں کہتی تھی کہ سر چڑھائیں اسے لڑکی ذات ہے۔

اماں ابا سے کہتیں رو پڑیں۔۔

عرشی کا ہاتھ ادھ کھلے دراوزے کے ہینڈل پہ ہی رک گیا۔

وہ ابا کے جواب کا انتظار کرنے لگی۔

تمہیں یاد ہے شاہدہ ایک بار میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اپنے بزچوں کی ہر وہ خواہش پوری کروں گا جو میرے اختیار میں ہوئی۔۔

وہ دھیمے لہجے میں بولے۔۔۔

یہ کوئی خواہش تھی پوری کرنے والی۔

اماں نے خفگی سے انھیں دیکھا۔

یہ میرے بس میں تھی کیسے منع کرتا۔۔۔

ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

عرشی کا دل چاہا کہ وہ اسی زمین میں گڑ جائے۔۔

اس سے زیادہ عرشی سے کچھ سنا نہیں گیا وہ روتے ہوئے وہاں سے واپس چلی گئی تھی۔

☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆

مہندی کا فنکشن کم کسی کا سوئم زیادہ معلوم ہو رہا تھا

گھر والے باری باری رسم کر جا رہے تھے۔

شگفتہ چچی چچا جیا عاشر اور دنیا داری کے لیے اماں بھی۔

سبحان احمد تو کمرے سے باہر ہی نہیں آئے تھے۔

لوگوں کو تو باتیں کرنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے۔

کوئی سمیر اور عرشی کی ٹوٹی ہوئی منگنی تو کوئی عرشی کا معاشقہ اور کوئی سبحان احمد اور عرشی کے درمیان ہوئی ناراضگی کو ڈسکس کر رہا تھا۔۔۔

جتنے منہ اتنی باتیں۔

سمیر عرشی کو مہندی لگانے سٹیج پہ آیا تھا۔۔۔

بے اختیار سب کی نظریں ان دوبوں کی طرف اٹھیں تھیں۔

وہ شرمندہ ہوتے ہوئے اسکے برابر بیٹھا۔

تم نے ٹھیک نہیں کیا عرشی ابھی تو شروعات ہے اگے بہت کچھ سہنا باقی ہے۔۔۔

وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

تمہیں پتہ ہے نہ کہ جو میں ٹھان لوں کر کے رہتی ہوں۔

وہ مسکرائی آنکھیں چھلکنے خو بے تاب تھیں۔

سمیر نظریں جھکا گیا۔

ابا نہیں آئے آنسو ٹوٹ کے اسکے گال پہ پھسلا۔

آ جائیں گے۔۔۔

سمیر نے اسے جھوٹی تسلی دی۔۔

نہیں آئیں گے میرے ابا ہیں میں جانتی ہوں انھیں۔

وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

وہ اسے دیکھ کر تہ گیا۔

لوگ ابھی تک چہ مگوئیاں کر طرہے تھے۔

تم جب روم میں جاو گئی تب میں آوں گا۔

وہ ایک نظر سامنے بیٹھے مہمانوں کو دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

□□□□□□ 《》 ¤¤¤¤ 《》 ¤¤¤¤ 《》 ¤¤¤¤ 《》 ¤¤¤¤¤¤¤

وہ رسم کے بعد کمرے میں آئی تو بلکل اکیلی تھی۔

نہ کوئی سنگیت نہ کو سہیلی نہ چھیڑ چھاڑ نہ ہنسی مذاق کوئی نہیں تھا کچھ بھی نہیں تھا۔

عاشی بھی اس سے ناراض تھی۔۔۔

شادی میں شرکت کر کے بھی وہ احسان جتا رہی تھی۔

سب کی ہمدردیاں سمیر کے ساتھ تھیں سب چچا جان چچی جان سے شرمندہ سے نظر آتے شگفتہ چچی کبھی کوئی طنز کرتیں کبھی خاموش رہتیں۔۔۔

چچا جان نے اسکی سپورٹ نہیں کی تھی پر مخالفت بھی نہیں کی تھی۔

ابا شایان احمد سے اتنے شرمندہ تھے کے انکا سامنا کرنے سے کترانے لگے تھے۔

رمشا دوسری طرف کے کاموں اور فنکشنز میں مصروف تھی۔

وہ بھی نہیں آئی تھی۔

کیا کر رہی ہو ڈیئر کزن۔۔

سمیر اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے بولا۔

وہ اسی بارے میں سوچتی اداسی میں گھری اپنی جیولری اتار رہی تھی۔

جب سمیر کی آواز پہ چونکتے ہوئے پیچھے مڑی۔

ادھر آو میرے پاس بیٹھو۔۔

سمیر نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بیٹھایا

تم آج بہت عجیب لگ رہی تھی۔

وہ منہ بنا کر بولا۔

وہ کیوں۔۔۔

عرشی نے ہاتھ میں پکڑا اپنا جھمکا سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا۔

تم اتنی سیڈ اور خاموش تھی لگ رہا تھا تمہارا مجسمہ بنوا کر رکھا ہے سامنے۔۔۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

اب وہاں بیٹھ کے دانت نکالتی لوگ کیا کہتے۔۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرائی۔

تمہاری شادی ہے نہ تو میں۔

وہ بات کرتے کرتے روکا۔

عرشی اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

میں تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔۔۔

تم سے کچھ لینے کی امید تو ویسے بھی نہیں کی جا سکتی آج بھی بجائے کچھ دینے کے مانگ رہے ہو شرم کرو سمیر احمد۔۔۔

وہ اسکا ارادہ سمجھ گئی تھی تبھی بات کو مذاق مین اڑا دیا۔۔۔

تم یہ تو پوچھو کہ میں کیا مانگنا چاہتا ہوں۔۔۔

وہ دھیمے سے لہجے میں بولا۔

مجھے ایک بات سمجھ نہیں آ رہی وہ الجھن میں تھی۔

کیا۔۔۔

سمیر نے اسکی طرف دیکھا۔

یہ کہ چچی جان نے بتو کئی بار اپنے غصے کا اظہار کیا ہے۔

لر چچا جان خاموش ہیں کچھ نہیں بولے کیوں۔۔۔

عرشی بات کو دوسری طرف لے گئی تھی۔۔

پہلے ہی اتنی پرابلمز تھیں اب وہ کیا کہتے تم اس بات کو چھوڑو۔۔

اس بات پہ آو جو میں کر رہا ہوں۔

وہ اب پورا اسکی جانب گھوم گیا تھا۔۔۔۔

اگر تم یہ کہنے آئے ہو کہ میں اپنی قسم واپس لے لوں تو کہنا بے کار ہے میں ایسا نہیں کروں گی۔۔

وہ ٹھوس لہجے میں کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

تم بہت ضدی جذباتی اور بےوقوف لڑکی ہو جسے دوسروں کے فائدے کے سامنے اپنا نقصان بھی دیکھائی نہیں دیتا۔

تم انسان ہو فرشتہ نہیں عرشی جو جس کا جرم ہے اسکی سزا اسے بھگتنے دو تم کیوں کر رہی ہو ایسا۔

تم نے ہر جگہ اپنی من مانی کی ہے میں کچھ نہیں بولا اب اور نہیں۔۔۔

جب سب کچھ ہو گیا ہے اب بتا دینے میں کیا حرج ہے۔۔۔

وہ غصے میں بولتا چلا گیا۔

تم کچھ بھی کہو میں اس چیز کی اجازت کبھی نہیں دوں گی کہ تم زندگی کے کسی بھی موڑ پر کسی سے بھی کچھ کہو۔۔۔

سمیر اتنا تو کر سکتے ہو نہ میرے لیے۔۔

وہ اسکے سامنے کھڑی بول رہی تھی۔

سمیر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ وہ مان جائے۔

ہو گئی بات مکمل وہ اب اپنے دوپٹے کی پنیں اتار رہی تھی۔

سمیر کافی دیر اسے دیکھتا رہا تھا۔۔۔

تم گے نہیں ابھی وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر مڑی تو وہ ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

وہ اٹھ کر اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔

عرشی اسے دیکھتی رہی۔۔

سمیر نے اسکا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے باہر لے گیا۔۔۔۔۔
وہ چلاتی رہی تھی پراس نے اسکی ایک نہیں سنی تھی

۔

وہ ابا کے کمرے کے باہر جا کر رکا۔۔۔۔
باقی سب گھر والے تھکن سے چور اپنے اپنے کمروں میں تھے۔
یہ کیا کر رہے ہو سمیر ایک بار منع کیا ہے نہ کہ کسی سے کچھ مت کہو۔
وہ اپنی آواز کو دھیما رکھ کے بولی۔۔۔۔
ٹھیک ہے کچھ نہیں کہتا میں کدی سے تم بڑے ابا سے بات کرو وہ معاف کر دیں گے میں ساتھ یوں تمہارے چلو۔۔۔
وہ اسے آگے دھکیلتے ہوئے بولا۔
نہیں اب ہمت نہیں ہے بہت مشکل سے خود کو سنبھالا ہے اب بات کروں گی تو بکھر جاوں گی۔
سمیر فورس مت کرو مجھے وہ رودی۔
پر وہ کہاں ماننے والا تھا اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے گیا۔۔۔
ابا جایے نماز پہ آنکھیں موندے دعا مانگ رہے تھے۔۔۔

آج سے پہلے اسنے ابا کو کبھی ستنا بکھرا ہوا اور کمزر نہیں دیکھا تھا۔۔۔

وہ دیکھنے میں بہت کمزور لگ رہے تھے جیسے صدیوں کے بیمار۔۔۔

عرشی کا دل کٹ گیا۔۔۔

آنسوؤں کا ایک نا ختم یونے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔۔۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ان کے پاس جا بیٹھی۔۔۔

انھوں نے آنکھیں کھول کے اسکی جانب دیکھا اور پھر نظریں جھکا کر تسبح پڑھنے لگے۔۔۔

اسکا دل چاہا وہ ان کے سینے سے لگے پر۔۔۔

عرشی نے کانپتے ہاتھوں سے ان کے پیر تھامے۔۔۔

کئی ندامت کے آنسو ان کے پیر کو بھگو گئے تھے۔۔۔

ابھوں نے اپنے پیر پیچھے ہٹا لیے۔۔۔

عرشی کے رونے میں اور شدت آ گئی تھی۔۔۔

بڑے ابا اسے معاف کر دیں اسکا کوئی قصور نہیں۔۔۔

سمیر سے یہ سب دیکھا نہیں جا رہا تھا۔۔۔

تم خاموش رہو اگر یہ تمہیں وکیل بنا کر لائی ہے تو واپس چلے جاو۔

میں کبھی اس نافرمانی پر اسے معاف نہیں کروں گا۔۔۔

میں اسکا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا اسے کہو کے چلی جائے۔۔۔

وہ بنا ان کی طرف دیکھے بول رہے تھے۔۔۔

اطا معاف کر دیں غلطی ہو گئی۔۔۔

میں اپکی عرشی ہوں آپ سے ایک بات کہی تھی نہ مانتے پر یوں ناعاض تو نہ ہوتے۔۔۔

عرشی ہر حال میں انھیں منا لینا چاہتی تھی۔۔

مر چکی ہے میری عرشی۔۔۔

وہ سختی سے بولے۔۔۔

عرشی نے بے یقینی سے ابا کو دیکھا۔۔۔

اور جو اس عرشی کا قاتل ہے میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔۔

سبحان احمد کا فیصلہ بھی انکے لہجے کی طرح ٹھوس تھا۔۔

عرشی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔۔۔

وہ لڑکھڑاتے قدموں سے واپس مڑ گئی۔۔۔۔

سمیر بس خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔۔۔

اگر ایسے میں بولتا تو وہ کبھی اسکی بات کا یقین نہ کرتے وہ اسے ایک ڈرامہ قرار دے دیتے جو عرشی کی معافی کے لیے بنایا گیا ہے۔۔۔

اور سنو۔۔۔۔

وہ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔۔۔

عرشی رک گئی تھی پر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

دوبارہ ایسی کوشش مت کرنا یہاں سے معافی نہیں ملے گی۔

وہ کہتے ہوئے دوبارہ تسبیح کی طرف متوجہ ہو گئے۔۔۔

سمیر بے بسی کی انتہا پہ تھا۔۔۔

عرشی اپنے ہی کندھوں پر اپنی لاش اٹھائے باہر کی جانب بڑھ گئی۔۔۔۔

اب سمجھ میں آیا کہ وہ اتنی ضدی کیوں ہے۔۔

سمیر نے دکھ سے بڑے ابا کو دیکھا۔۔

وہ یوں ہی خاموش رہے۔

اور پھر وہاں سے چلا گیا۔۔۔

ان دونوں کے جانے کے بعد سبحان احمد روتے رہے تھے

وہ ساری رات اللہ کے حضور سجدہ ریز اپنی بیٹی کی خوشیوں کی دعا مانگتے رہے تھے۔۔

《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》

ابا بارات والے دن بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں آئے تھے۔

نکاح نامہ پہ دستخط کرتے ہوئے اسے لگا تھا اسنے اپنی موت کے پروانے پہ دستخط کئے ہوں۔۔

اپنوں سے دور تو نوت ہی کرتی ہے۔۔۔

اور وہ تو وقت سے پہلے ہی سب کے لیے مر چکی تھی۔۔۔

آنسو خشک ہو گئے تھے اب تو رونے کی ہمت بھی ختم ہو گئی تھی۔۔۔

بارات کراچی سے لاہور روانہ ہونی تھی۔۔۔

سب لوگ جو خاموش تھے رخصتی نے انھیں رونے کا بہانہ فاہم کر دیا تھا۔۔۔

عاشر کی گڑیا وداع ہو رہی تھی وہ وہاں سے چلا گیا۔۔۔

سمیر نے اسے وضو کر کے قرآن پاک لانے کو کہا تو اسنے انکار کر دیا۔۔۔۔

عاشر ہم سب نے اسے دور تو کر دیا ہے پر اب اسے دعاوں سے رخصت تو کر سکتے ہیں نہ۔۔۔

سمیر دکھ سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔

عاشر کو ناچاہتے ہوئے بھی سمیر کی بات ماننا پڑی۔۔

عرشی اتنے سے ہی خوش ہو گئی تھی۔۔۔

وہ بار بار مڑ کے ابا کے کمرے کی جانب دیکھتی اور پھر مایوسی سے سیدھی ہو جاتی۔۔۔

سب لوگوں کو ان کے نہ ہونے کا سبب انکی بیماری بتائی گئی تھی۔۔۔

اماں کا دل پگھل گیا تھا وہ اسے سینے سے لگا کر خوب روئیں۔۔۔

ارے وہ بیمار ہیں تو یہ سن سے مل آئے۔۔

حلیمہ بیگم(داود کی والدہ) نے پیارسے عرشیکے سر پہ ہاتھ رکھا۔۔۔

وہ اماں کو خود سے الگ کرتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھی۔۔۔

داود اور باوی کافی مہمان گاڑیوں میں بیٹھ گئے تھے۔

ابا لحاف چہرے پہ اوڑھے سیدھے لیٹے تھے۔۔۔

وہ جا کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔۔

ابا میں جا رہی ہوں۔۔

وہ انکے پیروں کو چھوتے ہوئے ہولے سے بولی۔۔

اس بار وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے پیر پیچھے نہیں ہٹا پائے۔۔۔

اللہ حافظ ابا۔۔

وہ آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔

وہ دل پہ پتھر رکھے یوں ہی لیٹے رہے۔۔۔

وہ واپس مڑ گئی۔۔۔

سبحان احمد نے لحاف ہٹا کر بھیگی آنکھوں سے اسکی پشت کو دیکھا۔۔۔۔

وہ بنا مڑی ہی چلی گئی تھی۔۔۔

وہ منہ لحاف میں چھپا کر پھر سے رو دیئے۔۔

اس گھر میں کسی کی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔۔ایسا معلوم ہوتا کسی کا جنازہ اٹھا تھا۔۔۔

ہر کوئی کسی سے منہ چھپائے رو رہا تھا۔۔۔

سمیر نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا۔۔۔

اور وہ بند کمرے میں گھنٹوں روتا رہا۔

پورا راستہ وہ روتی رہی تھی۔۔

بار بار گھر گھر والے یاد آ رہے تھے۔۔

عجیب بے چینی سی تھی اتنا لمبا سفر۔۔۔۔وہ بھی بائے روڈ۔

داود احمد نے ایک بار بھی اسکی طرف مڑ کہ نہیں دیکھا تھا۔

پر ابھی اسکا دھیان اسکی طرف گیا ہی نہیں تھا۔۔۔

وہ عجیب بے حسی کی چادر اوڑھے شیشے سے باہر دیکھتی رہی تھی۔۔۔

رمشا اسکے ساتھ تھی۔۔

وہ بھی خاموش بیٹھی تھی۔۔

اسے عاشی آپی کی بارات یاد آنے لگی وہ اور جہانزیب بھائی ایک منٹ چپ کر کے نہیں بیٹھے تھے خوب انجوائے کیا تھا۔۔

عاشی کی بھی خوکھنچائی کی تھی۔۔

سمیر بار بار میسج کر کے اسے تنگ کر رہا تھا کہ وہ اسے وہاں اکیلا چھوڑ آئی ہے۔۔۔

اور اب کوئی بات کرنے کا روادار نہیں تھا۔۔۔

وہ لوگ بس پہنچنے والے تھے۔۔۔۔

وہ پوری رات سے سوئی نہیں تھی۔۔۔

وہ ایسے ہی ٹیک لگائے بیٹھی تھی نجانے کب آنکھ گئی۔۔۔

رمشا نے اسے طازو سے ہلایا۔۔

اسنے اپنی سرخ ہوتی نیند سے بوجھل آنکھوں کو بمشکل کھولا۔

ہم پہنچ گئے۔۔

اسکی آنکھوں میں سوال تھا رمشا نے جوب دے دیا۔۔۔

وہ خو کو زبردستی ہوش دلا کر گاڑی سے بسہر آ گئی تھی۔۔

انکا استقبال پھولوں سے کیا گیا تھا۔۔۔

وہ یوں ہی چاپ چاپ جہاں رمشا کہتی رہی وہ چلے ی رہی۔۔

اسے حال میں صوفے پہ بٹھایا گیا کچھ خواتین نے اسکی بسلائیں لیں تھیں۔۔۔

وہ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی۔۔

چلو بھئی میری بیٹی بہت تھک گئی ہے اسے کمرے میں چھوڑ کے آو رمشا

دو چار رسموں کے بعد حلیمہ بیگم نے اسے کمرے میں لے جسنے کے لیے کہا۔۔۔

عرشی کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کتنا تھک چکی ہے۔۔۔

پر وہ یہ نہیں جاتیں تھیں کہ یہ تھکن سفر کی نہیں تھی۔

آپ کی بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔۔۔

ایک پنک ساڑھی والی خاتون بولی۔۔۔

ہاں بہو تو ہیرا ملی ہے آپکو بہت پیاری ہے اور معصوم بھی۔۔

اللہ دونوں بچوں کے نصیب اچھے کرے ایسی بہت سی باتیں سنتے وہ اپنے کنرے تک پہنچ گئی تھی۔۔

کمرہ بلکل سادہ تھا۔۔۔

نہ پھول نہ تحفے۔۔

وہ بھی بلکل عرشی کی طرح لگ رہا تھا اجڑا ہوا ماتم کنہ۔۔

عرشی کو حیرت نہیں ہوئی وہ بیڈ پہ بیٹھ گئی۔۔

یار داود بھائی کو پھول نہیں پسند اس لیے کمرہ نہیں سجایا تمہیں برا تو نہیں لگا۔۔۔

رمشا اسے صفائی پیش کر رہی تھی۔۔

عرشی نے گردن نفی میں ہلائی۔۔۔

دروازہ ناک ہوا تھا۔۔

رمشا نے دروازہ کھولا تو سامنے داود کھڑا تھا۔۔۔

ارے بڑی جلدی ہے آپکو۔۔

رمشا شرارت سے بولی۔۔۔

راستہ دو مجھے چینج کرنا ہے وہ بنا مسکرائے بولا۔۔

اچھا ٹیکس پے کریں پہلے۔۔۔

وہ دروزے پہ ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔۔۔

کس چیز کا ٹیکس وہ حیرت سے بولا۔۔

بھئی اس ٹیکس کو راستہ رکوئی کہتے ہیں اور وہنے پچاس ہزار نکالیں جلدی۔۔۔

رمشا نے اپنا ہاتھ اسکے سامنے کیا۔

جتنے لینے ہیں لے لو۔۔

داود بے والٹ اسکی ہتھیلی پہ رکھتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسے پیچھے ہٹایا اور ابد چلا گیا۔۔

عرشی سر جھکائے بیٹھی تھی وہ بنا اس پہ ایک بھی نگاہ ڈالے چینج کرنے چلا گیا تھا ۔۔۔

رمشا نے والٹ ویسے ہی ٹیبل پہ رکھ دیا۔۔۔

اور عرشے سے گلے مل کر باہر چلی گئی۔۔

وہ اپنی بند ہوتی آنکھوں خو بار بار کھولنے کی کوشش کرطرہی تھی۔۔

اسے الجھن ہو رہی تھی وہ چینج کرنا چاہتی تھی۔

تقریبا بیس مبٹ بعد داود شاور لے کر باہر آیا تھا۔۔۔

وہ تروتازہ ہلکا سا نائٹ سوٹ پہنے رات کے اس پہر بھی فریش دیکھائی دے رہا تھا۔۔۔

عرشی نے اپنی نظریں جھکا لیں۔۔۔

وہ اسکی طرف سے کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھی۔

میں آج رات ہی ایک بات تمہیں صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں۔۔

وہ چلتے ہوئے اب اس کے قریب آیا تھا۔

عرشی کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔۔

مجھے نہیں پتہ کہ تم اس شادی کے لیے کیسے مان گئی۔

مگر تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتی میں اسے بھی یہ سب کہتا۔۔۔

عرشی نے اپنی نظریں اپنے ہاتھوں پہ جما رکھی تھیں۔

میں اس شادی کے لیے رضامند نہیں تھا۔۔

عرشی کو لگا اسکے پیروں کے نیچے سے زمین نکال لی گئی ہے۔۔۔

میں کسی اور کو پسن کرتا ہوں۔

دھڑام آسمان سر پہ گر پڑا تھا۔

تم مجھ سے اس کے بارے میں کبھی بھی کوئی سوال نہیں کرو گی میں اس رشتے کو جھوٹ سے شروع نہیں کر سکتا۔۔

ملبے تلے اسکا سانس رکنے لگا تھا۔۔۔

اسنے مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا۔۔

باوی باتیں صبح کریں گے بہت تھک گیا ہوں میں تم بھی سو جاو۔۔

وہ کہتا ہوا اگے بڑھ گیا۔۔۔

عرشی کو لگا اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی ہے۔۔۔۔

وہ خود کتنے ارام سے سو گیا تھا۔۔

عرشی کو سہی معنوں میں اب اپنے نقصان کا احساس ہوا تھا۔۔۔

وہ واپس نہیں جا سکتی تھی وہ اس رشتے کو کیسے نبھائے گی۔۔۔

بہت سی سوچوں نے اسکا دماغ شل کر دیا تھا۔۔۔

وہ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وارڈ روب میں گئی اور وہیں نیچے فرش پہ بیٹھ کے رو دی۔

وہ کس کس نقصان پہ ماتم کرتی وہ اپنی جذباتی طبعت کے ہاتھوں بہت برا پھنسی تھی۔۔

یہ تو اسنے سوچا بھی نہیں تھا ھو اسکے ساتھ ہو گیا تھا۔

وہ شخص اتنا پتھر دل کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔

اسکی زندگی کے ساتھ کیسے کھیل سکتا ہے۔۔

وہ منہ پہ ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔

اسنے بہت دیر رونے کے بعد ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے تھے۔۔۔

واپس کا کوئی راستہ نہیں تھا سو وہ واپس آ گئی تھی۔۔

وہ سنگدل شخص۔۔

بہت گہری اور پرسکون نیند سو رہا تھا۔۔۔

وہ تکیہ اٹھا کر صوفے پہ لیٹ گئی۔۔۔

آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔۔۔

روتے روتے نجانے کب اسکی آنکھ لگ گئی تھی۔

ہلکے سے کھٹکے سے اسکی آنکھ کھلی گئی تھے۔۔

اسنے سامنے دیکھا وہ ڈرسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا پرفیوم سپرے کر رہا تھا۔

اسنے اٹھتے ہوئے اپنے اوپر پڑے کمبل کو حیرت سے دیکھا۔

یہ کس نے اوڑھایا۔۔

تم کراچی والے اتنی سردی کے عادی نہیں اور تم صوفے پہ بنا کمبل کے سو گئی۔۔۔

وہ ابھی اسی سوچ میں گم تھی کہ وہ بول پڑا۔۔۔

اسنے نظریں اٹھا کر اسکی طرف دیکھا۔۔

ریڈی ہو جاو جلدی پھر مجھے آفس کے لیے نکلنا ہے۔۔

اماں ناشتے پہ انتظار کر رہیں ہوں گی اکیلا جاوں گا تو سوال کریں گئیں۔

وہ اپنی فائلز سمیٹتے اور سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔۔۔

آپ اس شادی سے خوش نہیں تھے تو صاف منع کر دیتے۔

وہ ویسے ہی نظریں زمین پہ مرکوز کئے بولی۔۔

داود نے فائلز پر سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

پہلے تم بتاو تمہارے گھر والے اتنی آسانی سے کیسے مان گئے تمہاری منگنی تو سمیر سے ہوئی تھی۔

ایسے کیسے ٹوٹ سکتی ہے جبکہ تم لوگ بچپن سے ساتھ ہو اور اچھی انڈر سٹینڈنگ بھی تم لوگوں کی۔۔۔

وہ اس پہ نظریں جمائے بولا۔

عرشی لاجواب ہوئی تھی۔۔

بس ویسے ہی مجھے سمیر سے شادی نہیں کرنی تھی۔۔

جو اسے سمجھ آیا بول گئی۔۔

تمہارے گھر والوں کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ خوش نہیں ہیں۔

وہ اب اسے جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔۔

نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں آپنکو ویسے ہی محسوس ہوا ہو گا۔۔

اسنے پھر سے بات سنبھالی۔

وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

میں نیچے جا رہا ہوں تم بھی آ جاو۔۔

وہ اپنا بیگ اٹھا کر اگے بڑھ گیا۔۔

وہ اسکی پشت کو طدیکھ کر رہ گئی۔

وہ شاور لے کر بے حد سادہ سوٹ زیب تن کر کے نیچے آئی۔۔

داود تب تک اپنا ناشتہ مکمل کر چکا تھا۔

ارے اتنی سادہ سی تم تیار کیوں نہیں ہوئیں۔

حلیمہ بیگم نے اسے دیکھتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔۔

بس مجھے بھاری کپڑے اور میک اپ اچھا نہیں لگتا۔

عرشی مسکراتے ہوئے اسکے برابر والی کرسی پہ بیٹھ گئی۔

لو بھلا آج کل کی لڑکیوں کو تو اتنا شوق ہوتا ہے۔

اماں اب ت حیران تھیں۔

بس مجھے نہیں ہے وہ ایسے ہی سر جھکائے بولی۔

اماں خاموش ہو گئیں

اچھا اماں چلتا ہوں۔

وہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے عجلت میں بولا۔

کم سے کم آج کا دن تو جان چھوڑ دو اس آفس کی۔

اماں خفا ہوئیں۔۔۔

وہ بنا اس پہ ایک نگاہ ڈالے اٹھ کھڑا ہوا

اماں بہت امپورٹنٹ مٹینگ ہے پرسوں ولیمہ ہے پھر چھٹی ہو جائے گی۔

وہ انکے گلے میں باہیں ڈالے لاڈ سے بولا گیا۔

ٹھیک ہے پر ولیمے کے فورا بعد تم لوگ ہنی مون پر جاو گے۔۔

انھوں نے مسکر کر اسے ماتھے پر بوسہ دیا۔

جی بلکل اماں اسنے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے عریشیہ کو دیکھا۔۔۔

وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔۔

سادہ سے کپڑے بنا میک کئے اداس آنکھیں اترا چہرہ بنا مسکان کہ وہ کہیں سے بھی ایک دن کی دلہن نہیں لگ رہی تھی

وہ اسے دیکھتے ہوئے اگے بڑھ گیا۔۔۔

《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》 《¤》

وہ آفس سے واپس آیا تو عرشی کمرے میں نہیں تھی وہ وہیں صوفے پہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔۔۔

سماں میں کہہ رہا ہوں نہ مجھے شادی نہیں کرنی۔

آپ کیوں مجھے فورس کررہیں ہیں۔

وہ مسلسل کے اسرار سے تنگ آ گیا تھا۔

ٹھیک ہے مت کرو نہیں دیکھوں ھی تمہاری کوئی خوشی مر جاوں گی جسے تمہارے بابا چلے گئے۔

وہ دوپٹے کا پلو چہرے پہ رکھ کے رو دیں۔

میں کر لوں گا پر آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے دیں پلیز۔

وہ انکا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

کب سے وقت مانگ رہے ہو کوئی پسند ہے تو بتا دو ورنہ جو میں نے ڈھونڈھی ہے ہیرا۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔۔۔

ٹھیک ہے چپ رہو۔۔۔

کینسر تو ہو ہی گیا ہے مر جاو تو بیٹھ کے رونا۔۔

اماں نے اسے بھی جذباتی کیا۔۔

اللہ نہ کرے اماں کیسی باتیں کر رہیں ہیں۔۔

وہ دہل کر بولا۔۔۔

مجھے جواب چاہیے۔

اماں اپنی بیماری کو ہمیشہ غلط جگہ استعمال کرتیں تھیں۔

ہاں یا ناں۔۔

وہ بعضد تھیں۔

اسکا سر اثبات میں خودبخود ہل گیا تھا۔

وہ اماں کو انکار نہیں کر پایا تھا

انکی آنکھوں میں چھپی آس کو نہیں توڑ پایا تھا۔

وہ بہت خوش ہو گئیں تھیں۔۔۔

وہ بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ آیا تھا۔

کیا کیا بولی تم وہ حیرت زدہ سا رمشا کو دیکھ رہا تھا۔

یہ ہی کہ آپ کی شادی ایک مسہ بعد ہونا قرار پائی ہے۔

رمشا نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل کہا۔۔۔

نہیں اس سے پہلے۔۔

وہ اب بھی اسی پوزیشن میں اسکے سر پہ کھڑا تھا۔

یہ کہ عرشی کے گھر والے مان گئے۔

وہ زبردستی مسکرائی۔

وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا۔۔۔

مجھے یقین نہیں آ رہا اسکی تو منگنی ہو گئی تھی اسکے گھر والے کیسے مان گئے۔۔۔

تو یہ لڑکی اماں کو پسند تھی۔

وہ اب اماں کے پاس جا کھڑا ہوا۔۔۔

وہ خانوش بیٹھی تھیں۔

میں اس سے شادی نہیں کر سکتا آپ لوگ انکار کر دیں۔

وہ اماں کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

انکار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

اماں نے اسے سمجھانا چاہا۔

میں اس سے شادی نہیں کر سکتا وہ میرے ٹائپ کی نہیں ہے۔

عہ پریشانی سے بولا۔

شادی تو تمہیں اسی سے کرنی پڑی گی اگر انکار کیا تو میری مری کا منہ دیکھو۔

اماں غصے سے کہتیں اٹھ کر چلی گئیں۔

وہ اماں کو دیکھ کر رہ گیا۔

《▪》 《▪》 《▪》 《▪》 《▪》 《▪》 《▪》

وہ ابھی انہی سوچوں میں گم تھا جب وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

داود نے اسے دیکھتے ہوئے سیدھا ہو بیٹھا۔

تمہارے گھر والوں نے آنا تو دور تمہیں فون کرنا مناسب نہیں سمجھا۔۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

اسکے قدم من من بھ کے ہو گئے تھے۔

وہ وہیں بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

وہ ابا کی طبعیت کی وجہ سے اماں تو نہیں آ پائیں گی۔

وہ کو کہانی سوچ رہی تھی پر بروقت کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

اس لیے خاموش ہو گئی۔

ولیمہ پہ کون آئے گا۔

وہ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

میں پوچھوں گی آج وہ آہستگی سے بولی۔

اماں کو کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے ھو ہمارے درمیان ہے ہم میں ہی رہنا چاہیے۔

وہ ورڈ روب کی جانب بڑھا۔۔

عرشی نظریں جھکائے کہیں اور ہی پہنچی ہوئی تھی۔

کبھی کبھی بھرم رکھنا بھی کتنا کٹھن ہو جاتا ہے۔

مجھے سمیر سے بات کرنی چاہیے۔

وہ سامنے پڑے پی ٹی سی ایل کی جانب بڑھی۔

دو چار رنگ کے بعد کال اٹینڈ کر لی گئی تھی۔

ہیلو۔۔

سمیر نے اجنبی نمبر دیکھتے ہوئے کال رسیو کر لی تھی اور اب سامنے والے کے بات کرنے کا منتظر تھا

وہ کتنی دیر خاموش بیٹھی رہی تھی۔

او بھائی فون کیا ہے تو بات بھی کر لو۔

سمیر نے بےزاریت سے کہا۔۔۔

عرشی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

عرشی سمیر کافی دیر کی خاموشی کے بعد بولا۔۔

تم لوگ تو بھول ہی گئے۔

عرسی نے آنسو صاف کرتے ہوئے گلا کیا۔

تمہیں لگتا ہے ہم بھول سکتے ہیں تمہیں

وہ بھی اداس سے لہجے میں بولا۔

تم لوگ ولیمہ پہ آ رہے ہو۔

وہ اب مدعے پہ آئی سسرال والوں کو وہ باتیں کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

میں تو ضرور آوں گا باقی سب کا پےہ نہیں مجھے۔

اسنے اپنی لا علمی ظاہر کی۔

اگر ہو سکے تو کوشش کرو کے سب آ جائیں۔۔

وہ بات جلدی ختم کرنا چاہ رہی تھی

ہے بتو مشکل پر میں کوشش کروں گا۔۔

اچھا بات میں بات ہوتی ہے

عرشی نے چینج کر کے آتے داود کو دیکھتے ہوئے رسیور عجلت میں کریڈل پہ رکھ دیا۔

کس سے بات ہو رہی تھی۔

وہ اپنی شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بولا۔

سمیر تھا۔

عرشی کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

زرینہ سے کہو کے میرے لیے چائے لے کے آئے۔

وہ اسے کہتا ہوا بیڈ پہ نیم دراز ہوا۔

وہ سر اثبات میں ہلاتی باہر چلی گئی۔۔۔

کیا میں عرشی کے ساتھ ٹھیک کر رہا ہوں۔

وہ سامنے دیوار پہ نظریں مرکوز کئے سوچنے لگا

اور پھر اسکی واپسی تک۔۔۔

وہ خود کو کئی دلیلیں دے کر مطمئن کر چکا تھا۔

ولیمہ کا فنکشن بھی بہت اچھا ہوا تھا سمیر کے اسرار پر اماں اور ابا کو چھوڑ کر سبھی آئے تھے۔

پر سب عاشی کے گھر رکے تھے۔۔۔

عرشی کا دل اس بات پہ بہت دکھا تھا۔

ادھر داود کے بڑھتے سوال اسے پریشان کرنے لگے تھے۔

وہ بھی عجیب تھا کبھی اتنا روڈ کے شناسائی کا گماں بھی نہ ہوتا اور کبھی اتنی اپنائیت کے وہ حیران رہ جاتی۔

کبھی آفس سے واپسی پہ بات تک نہ کرتا اور کبھی گجرے لا کر ٹیبل پہ رکھ دیتا۔۔۔

عرشی کا دل چاہتا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے پہنائے پر وہ اس بات پہ ہی خوش ہو جاتی کہ اسے اسکا خیال تو آیا۔۔

عرشی نے ہنسنا بولنا بے تکی باتیں الٹے سیدھے کام سب چھوڑ دیا تھا۔

یہ سب تو سمیر کے ساتھ کرنے میں مزہ آتا تھا نہ۔۔۔

اسکے پاس واپس جانے کا راستہ نہیں تھا منزل بھی دیکھائی نہیں دے رہی تھی۔۔

پر پھر بھی وہ اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھی۔

شادی کے ان دو ماہ میں اس نے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔

وہ لوگ ہنی مون پر جانے لگے تو حلیمہ بیگم کی طبعیت خراب ہو گئی۔

داود نے اس بات کا بہانہ بنا کر پروگرام کینسل کر دیا۔۔

وہ بھی تو جانا نہیں چاہتی تھی۔

دونوں میں اجنبیت ابھی تک برقرار تھی۔۔

بہت کم کسی اہم موضوع پہ کبھی کبھار بات ہو جاتی۔

ابھی وہ بلکل اکیلی بیٹھی بور ہو رہی تھی۔

جب سمیر کی کال آگئی تھی۔

آ گئی تمہیں میر ی یاد

عرشی نے اسکے سلام کا جواب دینے کی بجائے اس سے گلہ کیا۔۔

یاد انھیں کرت ہیں جنہیں بھول جاتے ہیں۔

وہ اپنا ہی فلسفہ جھاڑ رہا تھا۔

سب بھول ہی تو گئے ہیں۔

وہ اداس ہوئی۔

اب تم نے ایک بھی آنسو گریا تو میں تم سے بات نہیں کروں گا۔

وہ اسکا ارادہ بھانپ کر فورا بولا

نہیں روتی وہ مسکرا دی۔

تمہارا خیال تو رکھتا ہے نہ وہ تمہارا میاں۔

وہ اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

ہاں بہت زیادہ سنکا تو ایک منٹ میرے بغیر گزارہ نہیں۔

اب تو وہ جھوٹ بھی اتنے اعتماد سے بولنے لگی تھی کہ کوئی پکڑ ہی نہ پاتا۔

یار ایک بات تو بتاو۔۔

ہاں بولو۔

تمہارا میاں سال میں کتنی بار ہنستا ہے۔۔۔

وہ ایسے بات کر رہا تھا جیسے بہت بڑے مسلے پہ بات کر رہا ہو۔

عرشی کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔۔

ویسے سہی کھڑوس ٹائپ ہے ہنسنے سے اسے ایسے ڈر لگتا ہے جیسے بل آ جائے گا۔

سمیر اپنا تبصرہ کر رہا تھا اور وہ مسلسل ہنس رہی تھی۔

وہ پی ٹی سی ایل کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھ کر بات کر رہی تھی۔

توبہ سمیر حد ہوتی ہے کسی بات کی۔۔۔

وہ ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

وہ کتنی ہی فیر اسے محلے کی اور ادھر ادھر کی اوٹپٹانگ باتیں سنا سنا کر ہنستا رہا تھا۔

عہ کتنے عرصے بعد یوں کھل کے ہنس رہی تھی۔

کس سے بات ہو رہی ہے۔

داود اج وقت سے پہلے ہی گھر آ گیا تھا۔

عرشی کی پشت دروازے کی طرف تھی وہ دیکھ نہیں پائی۔

سمیر سے عرشی نے بنا اسے اللہ حافظ کہے رسیور کریڈل پہ رکھا۔

پہلے کی بات اور تھی مجھے تمہارا یوں غیر لڑکوں سے ہنس ہنس کے بات کرنا بلکل نہیں پسند۔۔۔

عرشی کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑی تھی۔

وہ غیر نہیں ہے۔

عرڈی نے کانپتی آواز میں کہا۔

تمہارے اب وہ غیر ہے۔۔۔۔

اور مجھے یہ نہیں پسند۔۔۔

وہ سپاٹ لہجے میں کہتا ہوا اگے بڑھ گیا۔۔۔

عرشی اپنے لرزتے وجود کے ساتھ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

یہ سب تو اسنے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ داود اسکے بارے میں ایسا بھی سوچ سکتا ہے۔۔۔

دوسری طرف سمیر کے ہاتھ دے موبائل چھوٹ کر فرش پہ جا گرا تھا۔

وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرائے زمین پہ بیٹھتا چلا گیا۔

عرشی عجلت میں رسیور ٹھیک سے نہیں رکھ پائی تھی۔۔

نتیجہ۔۔۔۔۔۔☆

☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆

گل خان نے فورا ڈاکٹر کو کال کر کے بلا لیا تھا۔۔۔

ڈاکٹر نے اسے فورا ہسپتال شیفٹ کرنے کے لیے کہا تھا۔

گل خان اور صفیہ اسکے ساتھ تھے۔

آج بارش زور و سور سے جاری تھی۔

وہ جیسے تیسے اسے ہاسپٹل لے کے گئے تھے۔

ہاسپٹل جانے کے اٹھارہ گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تھا۔

باظاہر کوئی بیماری نہیں تھی۔

معمولی ٹھنڈ اور بخار نے اسکا یہ حال کر دیا تھا۔

وہ ان دو دنوں میں ہی بہت کمزور لگنے لگا تھا۔

گھر کولاک کر کے وہ دونوں باپ بیٹی اسی کے پاس ہاسپٹل میں تھے۔

صاحب جی عرشی بی بی کو کال کر کے بتا دیں۔

کل کی بانسبت آج وہ کچھ بہتر تھا اور بات کرنے کے قابل۔ہوا تھا۔

جب صفیہ اسکے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

تم نے اسے ابھی تک کچھ نہیں بتایا کیا۔

اسنے صفیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں جی اس دن کی بارش کی وجہ سے پی ٹی سی ایل کی تار ٹوٹ گئی ہے اور ابا مجھے موبائل نہیں رکھنے دیتے۔

وہ سر جھکائے بول رہی تھی۔

اچھا کیا جو تم نے نہیں بتایا وہ پریشان ہوتی ویسے بھی اسکے ابا کا اپریشن ہے وہ پہلے ہی کافی پریشان ہے۔

وہ نظریں سامنے دیوار پہ لگی پینٹنگ پہ جمائے بولا۔

وہ سر ہلا کر وہاں سے چلی گئی۔

سنو داود نے اسے جاتے ہوئے پکارا۔

وہ واپس مڑی جی صاحب جی۔

میرا موبائل کہاں ہے وہ ارد گرد نظریں دوڑاتے پوچھ رہا تھا۔

وہ تو جی گھر پہ ہی ہے۔

ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ہم شام کو جا سکتے ہیں گھر۔

وہ داود کو بتاتی چیزیں سمیٹنے لگی۔

وہ بھی ٹھنڈا سانس بھر کر نیم دراز ہو گیا۔

عرشی تم نے کوشش بھی نہیں کی ہو گی یہ جاننے کی کہ میرا نمبر کیوں بند ہے اور میں کہاں ہوں۔

اسے عرسی کا یوں لاتعلق ہونا تکلیف پہنچا رہا تھا۔

داود نے ڈسچارج ہو کر گھر آنے کے فورا بعد۔

جاوید صاحب(منیجر) کو کال کر کے اسکے لیے کراچی کی پہلی فلائٹ کی ٹکٹ بک کروانے کے لیے کہا تھا۔

جاوید صاحب جانتے تھے کہ وہ بیمار ہے

اس لیے یہ کہتے ہوئے کہ بارش کی وجہ سے فلائٹس کے ٹائم ٹھیک نہیں ہیں دو دن بعد کی سیٹ کنفرم کروائی تھی۔

وہ صبر کے علاوہ کیا کر سکتا تھا۔۔۔

وہ اس دوران عرشی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دوسر طرف عرشی نے اس سے رابطہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اسکا نمبر بند تھا۔

اور سیکرٹری کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ لاعلم ہے۔

بچوں نے الگ باپ سے بات کرنے کی ضد لگا رکھی تھی

وہ اپنی پریشانی کسے بتاتی اسے کسی سے کچھ شئیر کرنے کی عدت ہی کہاں رہی تھی۔

وہ بس دل ہی دل میں اسکی سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی تھی۔

■○■○■○■○■○■○■○■○■○■○■

شایان احمد نے سمیر کا رشتہ ردا سے طے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ سبحان احمد سے مشورہ لینے آئے تھے۔

وہ کیا کہتے جب سے عرشی گئی تھی انہوں نے تو اپنا کاروبار اسکا حساب کتاب دیکھانا ہی چھوڑ دیا تھا۔

کوئی بات کرتا جواب دے دیتے ورنہ خاموشی سے اپنی عبادت میں مصروف رہتے۔

وہ اعتراض کرنے والے کون ہوتے تھے۔

انھوں نے ہاں کا عندیہ دے دیا تھا۔

گھر مین منگنی کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔

اس دن کے بعد سے جب جب عرشی سے سمیر کی بات ہوئی وہ کہیں اور ہی کھویا ہوتا وہ پوچھتی رہتی وہ ٹال دیتا۔

آج بھی وہ سب سے پہلے یہ خبر اسے ہی سنانا چاہتا تھا۔

اسنے کئی بار سوچنے کے بعد آخر اسے کال کر لی تھی۔

وہ کچن میں مصروف تھی۔۔

موبائل کان سے لگائے ایک ہاتھ سے ہابڈی میں چمچ چلاتے۔

میری منگنی ہو رہی ہے۔

سلام دعا اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد سمیر مدعے پہ آیا۔۔

کس سے عرسی اچھل ہی پڑی تھی۔

ردا سے وہ بہت اداس لگ رہا تھا۔

یہ تو بہت خوشی کی بات ہے بہت مبارک ہو وہ بہت خوش آخر اسکی قربانی کام آ گئی تھی۔

خیر مبارک اسکا سارا کریڈٹ تمہیں جاتا ہے۔

وہ ابھی تک منہ لٹکائے ہوئے تھا۔

مجھے کوئی کریڈٹ نہیں جاتا اور تم بجائے خوش ہونے کے اداس ہو بڑے نا شکرے ہو ویسے بتاو کب ہے منگنی۔

تم نہین ہو اداس تو ہوں گا نہ۔

وہ دھیمے سے بولا۔

یہ تو کوئی بات نہیں اداس ہونے والی۔

بتاو منگنی کب ہے وہ مسکرا دی

پرسوں۔سمیر نے آخر کہہ دیا۔۔۔

چولہے کی آنچ دھیمی کرتے ہوئے اسکا ہاتھ جل گیا تھا۔

پر اس جلن سے اس جلن کا احساس بہت زیادہ تھا۔

کہ اسے اس گھر کے مکینوں نے مکمل طور پہ پریا کر دیا تھا۔

وہ اب ان کے دکھ سکھ کی ساتھی نہیں رہی تھی۔

اسنے کبھی یہ سب نہیں سوچا تھا جو زندگی اسکے ساتھ کر رہی تھی۔

عرشی نے بنا اگلی بات کہے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ بنا چولہے پہ رکھے کھانے کی پرواہ کئے بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی اور اوندھے منہ بیڈ پہ گر کر رودی

جس شخص کے لیے سب کھو دیا اس کے پاس اس سے کہنے کے لیے دو میٹھے بول تک نہیں تھے۔

پھر بھی وہ یہ رشتہ پوری ایمانداری سے نبھا رہی تھی۔۔۔

اس کے رونے میں اور شدت آچکی تھی۔

سمیر کی شادی کی تاریخ دو ماہ بعد کی طے ہوئی تھی۔

منگنی پر عرشی کو نہیں بلایا گیا۔

وہ کافی دن اس بات پہ دمیر سے ناراض رہی تھی۔

اور پھر سمیر کی بار بار کی معذرت کے بعد وہ اپنی ناراضگی برقرار نہیں رکھ پائی تھی۔

سبحان احمد کا اسرار تھا کہ عرشی کو شادی پر نہیں بلایا جائے گا۔

اندر ہی اندر انھیں اس بات کا دکھ تھا

کہ وہ جب سے بیاہ کہ گئی تھی واپس نہیں آئی تھی۔

سمیر نے سب سے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر وہ نہ آئی تو وہ شادی ہی نہیں کرے گا۔

سمیر کی ضد کے سامنے سب کو ہار مانتے ہی بنی تھی۔

شادی میں پندرہ دن باقی تھے۔

اور آج سمیر عرشی کو لینے جا رہا تھا۔۔

عرشی نے شادی کے کچھ ماہ بعد داود کو اپنے ھھر والوں کی ناراضگی کی وجہ سمیر دے شادی سے انکار بتایا تھا۔

جس کے نتیجے میں انھوں نے اسکی شادی اس سے کر دی تھی۔

اسے کیا فرق پڑتا ان باتوں سے خاموشی دے سنتا رہا۔

ابھی ابھی سمیر نے اسے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ آ رہا ہے۔۔

عرشی خوشی کے مارے پاوں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔۔۔

وہ پورے ایک سال بعد اپنے ھجر جانے والی تھی۔

اسنے گھر کی سفائی کروانے کے بعد پوری دل جمعی سے کھانا بنایا تھا۔

سمیر کی ہر فیورٹ ڈش۔۔۔

دلہن شادی کے بعد پہلی بار آپنکو اتنا کوش دیکھ رہی ہوں۔

زرینہ نے اسکی ایکساٹمنٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

ایک سال بعد ملوں گی میں اس سے اپنے سب ھھر والوں سے مت پوچھو۔۔۔

زرینہ آج بہت خوش ہوں۔

وہ اس سے کہتے تیار ہونے چل دی۔۔

آج وہ نہا دھو کر پورے دل سے تیار ہوئی تھی۔

وہ سمیر کو کوئی ایسا تاثر نہیں دینا چاہتی تھی۔

جس سے اسے شک ہو کے کوئی گڑ بڑ ہے۔۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی موسم بہت خوشگوار تھا۔۔۔

بادل چھائے ہوئے تھے۔۔۔

لگتا ہے آج بارش ہو گی۔۔

وہ لان میں کھڑی تیز ہوا کو انجوائے کرتے ہوئے بولے۔۔

زرینہ اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔

گل خان زرینہ اور ان کی دس سالہ بیٹی صفیہ اسی گھر کے کواٹر میں رہائش پذیر تھے۔

صفیہ سے اسکی دوستی ہو گئی تھی۔

عرشی بی بی بارش ہو گی۔

نہ تو ہم مل کے نہائیں گے بارش میں۔

صفیہ اسکا ہاتھ پکڑ کر بولی۔

ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔

وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔۔

وہ اب سمیر کے انتظار میں لاونج میں چکر لگا رہی تھی۔

دروازہ کھلنے کی آواز پہ وہ بھاگتے ہوئے دروزے تک گئی تھی۔۔۔

سامنے سے آتے داود کو دیکھ کر وہ رک گئی تھی۔۔۔

آج کیا ہوا بڑا تیار ہو کر بیٹھی ہو۔

مجھے دیکھ کر تمہاری مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

داود ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے صوفے پہ بیٹھا۔۔

آپ کے لیے پانی لاوں۔

وہ بات بدل گئی تھی۔

نہیں کائی آ رہا ہے کیا۔۔

داود کو دیکھ کر صاف پتہ چل رہا تھا اسکا موڈ کافی خراب ہے۔۔۔

وہ سمیر آ رہا ہے۔۔۔

وہ اسکے سامنے کھڑی تھی۔۔

اچھا خیریت۔۔۔

وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

ہاں وہ پندرہ دن بعد شادی ہے اسکی تو مجھے لینے آ رہا ہے۔

وہ مسکرائی۔

اچھا تو اس کے آنے پہ خوش ہو تبھی اتنا سج سنور کے بیٹھی ہو۔

داود نے مکمل اسکی تیاری کا جائزہ لیا تھا۔۔۔

یہ کیا کہہ رہے ہیں ظاہر ہے اب اتنے رف حلیے میں اسکے سامنے تھوڑی جا سکتی ہوں۔

عرشی کو اسکی بات بری لگی تھی پر وہ پھر بھی اپنے غصے کو ضبط کر گئی تھی۔

مجھے یاد ہے اپنی شادی کی پہلی صبح کس قدر سادہ حلیہ تھا تمہارا۔۔

وہ اب اسے جتا رہا تھا۔

عرشی نے دکھ سے اسکی طرف دیکھا۔

اب ظاہر ہے تمہیں مجھ سے شادی کر کے پچھتاوا ہو رہا ہو گا۔

وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکائے اسے چھلنی کر رہا تھا۔

آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔۔

ایسا کچھ نہیں مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔۔۔

وہ تکلیف کے احساس کو پس پشت ڈالے اسے صفائی دے رہی تھی۔۔۔

اور شادی سے تم نے انکار کیا اسے تمہاری جذباتیت کہا جا سکتا ہے۔

تمہاری ایک سال منگنی رہی ہے اس سے میں کیسے مان لوں

کہ تم دونوں کے درمیان کبھی کچھ نہیں رہا۔۔۔

تم خوش نہیں تھی اگر سمیر کو اعتراض ہوتا تو وہ انکار کرتا۔

وہ اب شدید غصے میں تھا۔۔

تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ کم رابطہ رکھو اس سے۔

تمہیں کراچی جانا تھا مجھ سے کہتی کیا میں انکار کرتا۔

اس سے کہا کہ وہ تمہیں لے کہ جائے۔

چلو تنہائی میں موقع مل جائے گا دونوں کو۔۔۔

عرشی بے یقینی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ اب کیا صفائی پیش کرتی سب زیزہ ریزہ ہو چکا تھا۔

میرے اور سمیر کے دمیان کبھی ایسا کچھ نہیں رہا وہ ردا کو پسند کرتا ہے اسکی شادی اسی سے ہو رہی ہے۔

اور میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہوں گی

پر آپ کی سوچ اتنی چھوٹی ہے میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

آپ بھی دوسرے شکی مردوں کی طرح سطحی سوچ رکھنے والے عام مرد نکلے۔

وہ آنسوؤں کو ایک ہاتھ سے مسلتے ہوئے بول رہی تھی اذیت سی اذیت تھی۔

وہ اس پہ ایک نگاہ ڈال کر کمرے کی جسنب بڑھ گیا تھا۔

عرشی کو اپنا وجود طوفان کی زد میں محسوس ہو رہا تھا۔

وہ اپنے لرزتے وجود کو صوفے کی پشے کا سہارا دئے کھڑی تھی۔

جب صفیہ بھاگتے ہوئے آئی تھی اور ایک کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما کر واپس چلی گئی تھی۔

عرشی ہوش میں ہی کہاں تھی

اسنے کارڈ کو کھول کر دیکھا وہ سمیر کی شادی کا کارڈ تھا

وہ ایک دم باہر کی جانب بھاگی تھی گیٹ بند تھا باہر کوئی نہیں تھا۔

کون دے کر گیا ہے یہ کارڈ عرشی نے صفیہ کا ہتھ پکڑ کر روکا۔

پتہ نہیں خود کو پوسٹ مین کہہ رہا تھا پر لگ نہیں رہا تھا۔

صفیہ منہ بنا کر بولی اور واپس کھلنے لگی۔

سمیر۔۔۔

عرشی زیر لب دہراتے ہوئے چھت کر طرف بھاگی تھی۔

بادل بہت گہرے ہو چکے تھے۔

اور برسنے کو بے تاب تھے۔۔

عرشی نے

اسنے سڑک پر سر جھکائے چلتے ہوئے سمیر کو دیکھا۔۔

اسکا دل چاہا کہ وہ اسے پکارے پر زبان گنگ ہو گئی تھی۔

اور لفظ کہیں کھو گئے تھے۔

وہ جب تک نظر آتا رہا وہ اسے دیکھتی رہی

وہ اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔۔۔

وہ پھر بھی سامنے ہی دیکھ رہی تھی۔۔۔

ہلکی ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی

اسکی محویت میسج ٹیون نے توڑی تھی۔

لاہور کا موسم خراب ہے تو میں نہین آ پاوں گا فلائٹ بہت لیٹ ہے۔

کارڈ تمہیں اج کل میں مل جائے گا تم داود بھائی کے ساتھ آ جانا میں تمہارا منتظر رہوں گا۔۔۔۔

وہ سمیر کا میسج پڑھ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

داود شیراز احمد آج تمہاری وجہ سے میں نے اپنا اخری رشتہ بھی کھو دیا۔

وہ برستی بارش میں زمین پر بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر روتی رہی۔

سمیر نے وہ ساری رات برستی بارش میں ائیر پورٹ پہ گزاری تھی۔

اس وقت بارش کی وجہ سے کوئی فالئٹ نہیں ملی تھی۔

وہسر تھامے ساری رات بیٹھا رہا تھا۔

اور دوسری طرف عرشی بارش میں بھیگتی خود کو سنبھالتی نیچے آ گئی تھی۔

اتنی تکلیف تو اسے اپنی شادی کی پہلی رات بھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج۔۔۔۔

وہ ھیسٹ روم میں جا کر سو گئی تھی۔

اور یہ داود سے ناراضگی کا واضح اظہار تھا۔

وہ آج کسی میٹنگ کے لیے گیا تھا۔

پر کسی نے دو نمبری کر کے داود ا شیراز کی ڈیل کینسل کروا دی تھی۔

وہ جب آفس پہنچا تو جاوید صاحب نے اسے بتایا تھا۔

دورانی میلز کی طرف سے ڈیل کینسل کر دی گئی ہے جس کے نتیجے میں انھیں ایک کروڑ کا نقصان ہوا ہے۔

وہ یہ سنتے ہی آگ بھگولہ ہو گیا تھا۔۔۔

کوئی ایسے کیسے ڈیل کینسل کر سکتا ہے جب سامبے والا اپنا سارا پیسہ لگا چکا ہوا۔

جاوید صاحب نے اسے بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔

اسے پیسوں سے زیادہ اپنی انسلٹ پہ غصہ تھا۔

وہ جلدی گھر آ گیا تھا۔

اور کہیں کا غصہ کہیں اتارا۔۔۔

اب بھی رات کا ایک بج رہا تھا۔

بارش ابھی تک جاری تھی۔

عرشی ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی اور وہ شرمندگی کی وجہ سے اسے منانے نہیں جا رہا تھا۔۔۔

کہیں سے اُس حسیں آواز کی خوشبو پکارے گی

تو اُس کے بعد بدلے گا دلِ برباد کا موسم

)امجد اسلام امجد(

ہم کسی تیسرے کی منزل ہیں

دل کسی دوسرے کی راہ میں ہے

]امجد اسلام امجد[

روز سوتا ہوں میں صدمات کے جس بستر پر

کوئی اِک رات اگر سوئے تو مر سکتا ہے!....

اسنے اپنی ڈائری بند کرتے ہوئے سرد آہ بھری

وہ کافی دیر سر تھامے بیٹھا رہا۔۔۔

اور پھر کچھ سوچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ بسیر آیا پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔۔

اسے اندازہ تھا کہ وہ گیسٹ روم نیں ہو سکتی ہے۔

اسنے گیسٹ روم کا دروازہ کھول کر لائٹ آن کی

وہ بنا کپڑے بدلے اندھے منہ بیڈ پہ لیٹی تھی۔

عرشی نے سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

آئی ایم سوری عریشہ میں غصے میں تھا میں جانتا ہوں بہت کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔

وہ اسکے قریب بیٹھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

وہ یوں ہی بے حس و حرکت لیٹی رہی۔۔۔

اچھا لڑ لو مگر کچھ تو بولو۔

داود نے اسے کندھے سے پکڑ کر سیدھا کیا۔۔۔

وہ اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

اچھا تم پلیز مجھے معاف کر دو۔۔

وہ اب اسکا ہاتھ پکڑے معافی مانگ رہا تھا۔

آپ کو اندازہ نہیں ہے آپ نے کیا کر دیا ہے۔

عہ بنا اسکی طرف دیکھے بول رہی تھی۔

میں محبت کو ضروری نہیں سمجھتی پر عزت بہت معنی رکھتی ہے میرے لیے۔

اور اعتماد وہ تو آپ نے مجھ پر کیا ہی نہیں۔

آپ کو لگا یہ مجبور ہے اس کے پاس سکینڈ چوائس نہیں ہے یہ کیا کر سکتی ہے آپ نے ہر ممکن اذیت پہنچانے کی کوشش کی۔۔۔

اور اس میں آپ کامیاب رہے۔

وہ تمخسخرانہ ہنسی کے ساتھ بولی۔

اور میں یہ سوچ کر خاموش رہی کہ محبت کرنا کوئی جرم نہیں اگر وہ آپکو نہیں ملی تو اس میں آپکا کیا قصور میں نے کبھی اس بات کو اپنے اوپر طاری نہیں کیا ہر ممکن کوشش کی اس رشتے کو نبھانے کی۔

آپ بتاو اگر وہ آپکو نہیں ملی تو اس میں میرا کیا قصور۔

ایسی کوندی خوشی دی ہے آپ نے مجھے جس پہ میں خوش ہوں۔

کب جی بھر کے دیکھا پے آپ نے میں کس کے لیے سج سنور کے بیٹھوں۔

وہ اب اسکی آنکھوں میں دیکھ کر بول رہی تھی۔

عہ شرمندگی سے نظریں جھکا گیا۔

اسے میری آخری غلطی سمجھ کے معاف کر دو میں دوبارہ آخری غلطی۔

اپنے مجھے بتایا ہے کیا سوچ ہے آپکی میرے بارے میں مجھے توڑ دیا ہے میں چاہوں تو ابھی اس رشتے کو ختم کر دوں۔

پر میں یہ ثابت کروں گی کہ میں کس کے ساتھ کتنی مخلص ہوں۔

عرشی نے اسکی بات درمیان میں ہی کاٹ دی تھی۔

ہم لوگ کل جائیں گے کراچی سب سے ملیں گے۔

داود نے آخری کوشش کی۔

کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے بکہیں نہیں جانا۔

وہ اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ کی گرفت سے چڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ایسے کیسے ضروت نہیں تم سمیر کی شادی کیسے مس کر سکتی ہو۔

وہ بھی اٹھ کر اسکے مقابل کھڑا ہوا۔

کیونکہ آپ نے مجھے اس سے نظر ملانے کے قابل۔نہیں چھوڑا۔

وہ غصے سے کہتے ہوئے اپنا رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

وہ کافی دیر اسکی پشت کو گھورتے رہنے کے بعد واپس چلا گیا تھا۔

♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡♡

سمیر مسلسل اسے کال اور میسج کر رہا تھا۔

وہ اسے یہ تاثر دینا چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

وہ کہتا آ جاو وہ انتظار کر رہا ہے وہ کال کرتا وہ بات نہ کرتی۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ داود سے ناراض تھی وہ اسکے کمرے میں واپس اگئی تھی پر دونوں میں سرد مہری اب بھی بر قرار تھی۔

اسکا واحد دوست داود کی وجہ سے اس سے دور ہو گیا تھا۔

رمشا اپنے کاموں میں مصروف ہوتی عرشی بکل تنہا ہو کر رہ گئی تھی

وہ پریشان تھی ایسے میں اس نے ڈائری کو اپنا دوست بنا لیا تھا کبھی شعر و شاعری تو کبھی کچھ ان کہی باتیں۔

اب بھی وہ ڈائیری اور پین ہاتھ میں لیے بٹھی تھی۔

جب داود اسکے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

کیا لکھ رہی ہو۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

جب اپ لکھتے ہیں تو بتاتے ہیں کے کیا لکھ رہے ہیں۔

وہ پین ڈائری میں رکھتے ہوئے بولی۔

ابھی تک ناراض ہو۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔

معاف نہیں کرو گی بس غلطی ہو گئی۔

وہ اب سہی معنوں میں اپنے کیے پر شرمندہ تھا۔

دو کام میں کبھی نہیں کروں گی۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

کونسے۔

داود نے سوالیہ نظروں سے اسکی جانب دیکھا

نمبر ایک میں سمیر کی شادی پر نہیں جاوں گئی۔

نمبر دو میں اس بات کے لیے آپکو کبھی معاف نہیں کروں گی۔

ایسے مت کرو عرشی میں پہلے ہی اپنے کئے پر نادم ہوں۔

داود نے اسکا ہاتھ پکڑنا چاہا۔

اپکو کوئی حق نہیں پہنچتا میرے کردار پہ کیچڑ اچھالنے کا۔

اسنے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا تھا۔

مجھے میری نظروں میں گرانے کا۔

وہ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے بول رہی تھی۔

آپ بھی تو کسی سے محبت کرتے ہیں میں نے تو آپ کو کبھی طعنہ نہیں دیا۔

اسکی آنکھوں مین دکھ بول رہا تھا۔

داود شرمندگی سے نظریں زمین میں گاڑھے بیٹھا رہا۔

میرا کچھ نہیں گیا آپ نے اپنا ضرف دیکھایا ہے وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔
داود اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔
اسکی نظر اسکی کھلی ہوئی ڈائیری پر پڑی تھی
"عشق کا عین میں کیا جانوں
نفرت کی میں نون سے واقف ہو گئی ہوں
پا کر کیسے خوش ہوتے ہیں
کھونے کے میں کرب سے واقف ہو گئی ہوں
وصل کی رات کیسی ہوتی ہے
ہجر کی راتوں سے واقف ہو گئی ہوں
ملن کا سرور کیسا ہوتا ہے
بچھڑنے کے دکھ سے واقف ہو گئی ہوں
جو لوٹ آتے ہیں وہ کیسے ہوتے ہوں گے۔
انتظار کے عذاب سےواقف ہو گئی ہوں"
)شاعرہ زریش مصطفی(

داود نے نظم پڑھتے ہوئے ڈائیری واپس ٹیبل پر رکھ دی۔
اور کرب سے آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔
سمیر کے بہت بلانے پر بھی عرشی نے اپنی ضد نہیں چھوڑی تھی۔
داود نے بارہا اسے کہا تھا کہ وہ اسے لے جائے گا پر وہ نہیں مانی۔۔۔
شادی کے دو ماہ بعد ہی سمیر کو کینڈا میں ایک جاب آفر ہوئی تھی۔
وہ ردا کو ساتھ لے کر کینڈا شیفٹ ہو گیا تھا۔
اور سال بعد ہی چچا چچی کو بھی وہیں بلا لیا
عرشی کو پتہ چلا تو وہ خوب روئی وہ جاتے ہوئے اسے مل کر بھی نہیں گیا تھا۔
دیوار دن بدن بڑی ہوتی جا رہی تھی اب تو وہ ایک دوسرے کو نظر آنا بھی بند ہو گئے تھے۔
وقت کے ساتھ ساتھ عرشی اور داود کے تعلقات بھی بہتر ہونے لگے تھے
داود کا اداسی کا دورہ ہفتے میں ایک بار پڑتا باقی دن سکون سے گزرتے۔
ان دنوں عرشی کی طبعت ٹھیک نہیں تھی۔
ڈلیوری کے دن قریب تھے اماں کو پتہ چلا تو وہ اپنی ناراضگی بھول کر لاہور آ گئیں۔
اور پھر عنایہ کی پیدائش پہ اسے اپنے ساتھ کراچی لے گئیں۔

وہ ڈھائی سال بعد اپنے گھر جا رہی تھی۔

گھر میں ویرانیاں اپنا ڈیرہ جمائے بیٹھی تھیں۔

عرشی کا دل بوجھل ہو گیا تھا۔

ابا اسکے سر پہ ہاتھ پھیر کر طواپس کمرے میں چلے گئے

وہ دو ماہ رہی تھی وہاں۔

عنایہ کا نام بھی ابا نے رکھا تھا۔

وہ عرشی کے سام ے عنایہ کو پیار نہیں کرتے تھے جب وہ نہ ہوتی۔

وہ اسے گود میں لیے بیٹھے رہتے اور اپنے تئیں یہ سمجھتے کہ عرشی بے خبر ہے۔

وہ جان بوجھ کر اسے لاونج میں اکیلا چھوڑ کر چلی جاتی ابا اٹھاتے پیار کرتے اور دل ہی دل میں عرشی کی لاپروہی پر خفا ہوتے۔

وہ سب بھی عرشی سے بات نہیں کرتے تھے پر اسکے گھر نہ آنے والی پابندی ختم ہو گئی تھی۔

دانیال کے بعد وہ بچوں میں اتنی مصروف ہوئی کہ اسے اپنے اور داود کے درمیان جو دیوار تھی اسکی پرواہ نہیں رہی تھی۔

مگر نہ چاہتے ہوئے بھی عہ اس شخص کی محب میں گرفتار ہوتی گئی تھی۔

داود کی جان بستی تھی بچوں میں۔

اب تو سبحان احمد بھی اسی امتظار میں ہوتے کہ کب عرشی آئے گی

اور بچوں سے ملنے کا موقع ملے گا۔

اصل سے سود پیارا ہوتا ہے نہ

پر وہ سال میں ایک بار جا پاتی۔

عنایہ دو سال کی جبکہ دانیال ایک سال کا تھا جب داود کی اماں چل بسیں۔

اور عرشی کے کندھوں پہ اور ذمے داریاں آ گریں۔

اور پھر وہ بہت کم کراچی جا پاتی۔

داود اور عرشی کے تعلقات اب بہت بہتر تھے۔

وہ بار ہا اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی۔

پر وہ جو لڑکی پہلی رات ان کے درمیاں تھی وہ آج بھی وہیں تھی۔

عرشی کبھی کبھی تھک جاتی اور کبھی ڈھیٹ بن جاتی۔

اس روز جب وہ اسے ضروری کام کہہ کر نکلا تھا۔

اور اپنے لاکر کی چابیاں بھول گیا تھا۔

عرشی کو اس ڈائیری کا تجسس ہمشہ سے تھا۔

موقع بھی ملتا تھا پر وہ کبھی کھول کہ پڑھ نہیں پائی۔
آج اس نے ہمت کر کے ڈائیری نکال ہی لی تھی۔

داود شیراز احمد

پندرہ جون سن دوہزار چھ

15جون 2006

اسنے پہلے صفے پہ لکھی تحریر کے اوپر تاریخ پڑھی۔

ابا کے انتقال کو آج پورے پنتالیس دن ہو گئے ہیں آج میں پہلی بار آفس گیا یں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی مجھے چھوڑ کر چلے جائیں گے اور یہ سب مجھے کرنا پڑے گا۔

اگر جاوید صاحب نہ ہوتے تو میں یہ سب مینج نہ کر پاتا مس یو پاپا۔۔

اسنے اگلا صفہ پلٹا۔

بیس خون 2006

20جون 2006

آج آفس کےبکام سے میں بو رہا تھا سوچا گھر چلا جاتا ہوں دوپہر کے چار بج تھے تھے۔

جب ایک انجان نمبر سے کال آئی۔

اور میں نے اٹینڈ کر لی۔

سامنے کوئی لڑکی تھی وہ نجانے کیا پوچھتی رہی اور میں اس کی آوز میں گم رہا۔۔

وہ معذرت کرنے لگی تو میرا دل چاہا کہ کہہ دوں کہ ایسا مت کہو۔

اور جب مجھ سے رہا نہ گیا تو اسکی آواز کی تعریف کر بیٹھا۔

اسنے غصے سے فون بند کر دیا۔

ایسا نہیں کے میں نے کبھی کوئی حسین لڑکی نہیں دیکھی۔

یا کوئی اچھی آواز نہیں سنی۔

پر وہ تو سب سے الگ تھی۔

میں شام سے اگلی صبح تک اسی آواز کے حصار میں رہا تھا۔

بارہا دل چاہا کہ بات کروں پر یہ سوچ کہ رک جاتا کہ وہ فلرٹی کہ کہ کام ختم کر دے گی۔

میں ساری رات ٹھیک سے سو نہیں پایا۔

اور جب اسکو کال۔کی اسکی نیند میں ڈوبی آواز نے مجھے کچھ بولنے ہی نہیں دیا۔

وہ بے زریت سے مجھے ڈانٹنے لگی۔

اسکی ڈانٹ میں بھی مٹھاس تھی

مجھے ہنسی آنے لگی۔

اسنے غصے سے فون بند کر دیا۔

میں۔پورا دن پھر بے چین رہا۔

میٹینگ میں بھی دل بے چین اور دماغ کہیں اور تھا۔

سو اپنی میٹنگ کینسل کر کے اس سے بات کرنے لگا

اس سے میسج پہ بات ہونے لگے۔

وہ غصے اور بے زاریت سے ہی پر جواب دینے لگی تھی

میرے لیے اتنا ہی بہت تھا۔

وہ نخرہ کرتی تھی اس پہ سجتا بھی ہو گا

اس کا نام جاننا چاہا تو کئی نخروں کے بعد اسنے اپنا نام بتایا۔

اسکی آواز کی طرح اسکا نام بھی بے مثال تھ۔

ماہ گل۔

ڈئیری عرشی کے ہاتھوں میں لرز گئی تھی۔

پچیس جون 2006

25جون 2006

اور پھر میں نے اپنے وعدے کو نبھانے کی بہت کوشش کی پر کامیاب نہ ہو سکا۔

اور دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے میسج کر دیا۔

وہ پھر سے ڈانٹنے لگی اسکی ڈانٹ میں بھی الگ مزہ تھا۔

اور پھر میرے نام کا مذاق بنا کر عہ بات کرتی۔۔

مجھے اچھا لگتا جب وہ ہنستی۔

وہ کوئٹہ مین رہتی تھی۔

میں کرچی والی فرم پیچ کے کوئٹہ جانا چاہتا تھا۔

ہماری اچھی دوستی ہو گئی تھی۔

وہ بہت معصوم تھی نٹ کھٹ زندہ دل زندگی سے بھرپور اپنی کووئی ٹینشن شئیر کرتا تو ایسے ایسے اوٹ پٹانگ سیلوشن بتاتی کہ میں اپنی ٹینشن بھول جاتا۔

میں ڈر کہ مارے کبھی اس سے کچھ کہہ نہ پایا کہیں وہ ناراض ہو کر رابطہ ختم نہ کر دے۔

میں کتنا بے وقوف ہوں اسے پانا چاہتا ہوں۔

وہ جیسی بھی مجھے قبول ہے۔

اسکی باتوں سے مجھے عشق ہے۔

داود شیراز اتنی حسیناوں کو چھوڑ کر اس پہ عاشق ہوا جیسے دیکھا تک نہیں۔

میں اماں سے بات کر کے انھیں ماہ گل کہ گھر بھجنا چاہتا تھا۔

پر وہ ہاں کر کے اپنا ایڈریس تو دے۔

چھبیس فروری 2007

26فروری 2007

آج میں نے ہمت کر لی تھی۔

مجھے بہت ماہ ہو گئے تھے اسے کہتے کہ مجھے بات کرنی ہے کبھی وہ ٹال دیتی اور کبھی میں کچھ کہہ نہ پاتا۔

اور آخر پھر میں نے ہمت کر کے اسے سب کہہ دیا۔

میں بے چین تھا وہ کیا بولے گی

انکار اقرار مجبوری۔

اور پھر اسکا جواب آ گیا میں نے کسنپتے ہاتھوں سے میسج کھولا۔

میرا نکاح ہو چکا ہے۔

اسکے جواب نے مجھے عرش سے فرش پر پھنکا تھا۔

منہ منہ کہ بل ایسا گرا کہ اٹھ ہی نہیں پایا۔

اپنا ہوش کھو بیٹھا۔

اگر ہوش میں ہوتا تو پوچھتا کہ نکاح کو چھوڑو بتاو تم محبت کرتی ہو۔

میں بہت پریشان تھا۔

کچھ کرنے کا دل نہیں کرتا تھا سب ختم ہو گیا

اسکا نمبر بھی بند تھا اس سے رابطے کا واحد ذریعہ بھی ختم ہو گیا۔۔

آج نہ چھبیس ہے نہ فروری آج پندرہ مارچ ہے۔

اور کل میری شادی ہوئی ہے۔

اس سے اگے پڑھنا عرشی کے بس میں نہیں رہا تھا۔

وہ اپنے بہتے آنسوؤں کو نہین روک پائی تھی۔

اسکی معمولی سی فینٹسی نے اسکی زندگی کے دس بہترین سال کھا لیے تھے۔

اسکی اتنی معمولی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا ملے گی اسے وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"ہونٹ ہیروں سے نہ چہرہ ہے ستارے کی مثال

پھر بھی لاوے تو کوئی دوست ہمارے کی مثال

مجھ سے کیا ڈوبنے والوں کا پتہ پوچھتے ہو

میں سمندر کا حوالہ نہ کنارے کی مثال
زندگی اوڑھ کے بیٹھی تھی ردائے شب غم
تیرا غم ٹانک دیا ہم نے ستارے کی مثال
عاشقی کو بھی ہوس پیشہ تجاتت جانیں
وصل ہے نفع تو ہجراں ہے خسارے کی مثال
ہم کبھی ٹوٹ کے روئے نہ کبھی کھل کے ہنسے
رات شبنم کی طرح صبح ستارے کی مثال
ناسپائی کی بھی یہ حد ہے جو یہ کہتے ہو
زندگی ہم نے گزاری ہے گزارے کی مثال"
)شاعر احمد فراز(

سلسلہ اب وڈیوز اور تصویروں سے ہوتا ہوا شعر و شاعری پہ آ گیا تھا۔
سدا کا ویلا ہے رپلائے نہیں مل رہا پھر بھی بھی میسج کرنے سے باز نہیں آتا۔
عرشی نے غزل پڑھتے ہوئے سوچا۔
داود سے تا حال رابطہ نہیں ہوا تھا۔

کراچی آنے سے ایک دن پہلے اسے داود کی ڈیئری ملی تھی وہ ڈائری آتے ہوئے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

وہ اب بھی اسے ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔

اس میں اور بھی بہت قصے تھے۔

اسکی شادی کی پہلی رات اور بھی بہت سے وہ فارغ ہوتی تو بیٹھ کے پڑھتی رہتی۔

آج بھی داود سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔

دس سال ہونے کو آئے تھے۔

سمیر سے نہ میلی نہ دیکھا نہ بات کی۔۔

وہ اب بھی بیٹھی سمیر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

عہ جب سے گیا تھا عہ ایک بار بھی اس کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔

آج پتہ نہیں کس احساس کے تحت وہ اٹھ کر اوپر چلی گئی تھی۔

وہاں جابجا بکھری سمیر کی چیزیں ہر چیز کے ساتھ ان دونوں کی یادیں جڑیں تھیں۔

ملازم ہفتہ بھر بعد پورے پورشن کی صفائی کر دیا کرتی تھی۔

آج ہی عہ صفائی کر کے گئی تھی

سو دھول نہ ہونے کے برابر تھی۔

ریک میں سجی اسکی کتابیں نوٹس سب وہ ایک سیک چیز کو بغور دیکھ رہی تھی۔
جب اسکی نظر سامنے پڑی بلو فائل پہ پڑی۔
وہ فائل ہاتھ میں لیتے ہوئے مسکرادی۔
تم۔اپنے فزکس کے نوٹس مجھے دو گے بات ختم عرشی اسکے سر پہ کھڑی مسلسل ایک ہی رٹ لگایے ہوئے تھی۔
تم۔سے پہلے کسی اور نے مانگ لیے ہیں۔۔
وہ ادائے بے نیازی سے بولا۔
وہ چلاتی رہ گئی اور وہ نوٹس لے کر یہ جا وہ جا
اھلے دن کالج میں وہ نوٹس عرشی نے ردا کے پاس دیکھے تھے۔
عرشی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سمیر کو قتل کر دے۔
وہ آف موڈ کے ساتھ گھر آئی تو سیدھا اس کے کمرے میں گئی۔
اس کی توقع کے عین مطابق وہ کمرے میں نہیں تھا۔
وہ اسکی اسائنمنٹ اٹھا لائی تھی جو ہ
بہت محنت سے بنائی گئی تھی اور کل سبمٹ کروانی تھی۔

وہ اکیڈمی سے واپس آیا تو فائل عرشی سیڑھوں پہ بیٹھی کوئی فائل لائٹر سے جلا رہی تھی

وہ پاگل تھی کچھ بھی کرتی تھی۔

وہ بنا نوٹس لیے آگے بڑھ گیا۔

عرشی نے فاتحانہ نظر اس پہ ڈالی اور اٹھ کر اپنے کمر میں چلی گئی۔

اور آدھے گھنٹے بعد ہے پورا گھر طوفان کی زد میں تھا۔

سمیر غم و غصے کی شدت سے پاگل ہونے کے قریب تھا۔

اسنے لڑ لیا تھا باراضگی منت سمجات پر عرشی کا سیک ہی اصرار تھا۔

کہ اسے نہیں پتہ ھو اسنے جلایا وہ کیا تھا۔

دیکھو عرشی تم سچ بتاو کیا سچ میں تم نے میری اسائنمنٹ۔

وہ بات کرتے ہوئے رکا۔

ظاہر ہے سمیر وہ لاپروہی سے بولی۔

عرشی اگر یہ سچ ہوا نہ تو کبھی بات نہیں کروں گا تم سے۔

وہ اب پھر سے جلال میں آ گیا تھا۔

ٹھیک ہے تم قسم کھاو آئیندہ جو چیز میں کہوں تم مجھے وہ دو گے۔

عرشی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا

ہاں منظور ہے

سمیر جلدی سے بولا۔

آئندہ نوٹس میرے علاوہ کسی کو نہیں دو گے۔

ہاں بابا میرے باپ کی توبہ کسی کو نہیں دوں گا۔

وہ کو بس وہ فائل دیکھنی تھی کہ وہ ٹھیک ہے۔

یاد رکھا مکرنے کی کوشش مہنگی پڑے گی

عرشی نے فائل لا کر اسکے سامنے کی۔

اسنے اللہ کا شکر ادا کیا فائل ٹھیک تھی۔

مجھے پتہ تھا تم نہیں جلاو گی شکر ہے ورنہ سر شاکر میری جان لے لیتے

وہ فائل کو کھولتے اوئے ایک ایک پیج چیک کر رہا تھا۔

اچھا ویسے جو تم نے جلایا وہ کیا تھا۔

وہ فائل بند کرتے ہوئے عرشی کی جانب متوجہ ہوا۔

تمہارے نوٹس جو کل بنا رہے تھے تم۔

وہ شان بے نیازی سے بولی۔

اور اسکے بعد عرشی اگے اگے اور سمیر اسکے پیچھے۔

منظر یاد آنے پر وہ خودبخود مسکرا دی تھی۔

وہ فائل واپس رکھتے ہوئے کمرے پہ ایک نگاہ ڈال کر واپس نیچے آ رہی تھی۔

جب سیڑھوں پہ ہی اسکے پاوں جم گئے تھے۔

پینٹ کوٹ میں ملبوس ہلکی سی بڑھی شیو کے ساتھ بھرا بھرا جسم وہ پہلی نظر میں اسے پہچان ہی نہیں پائی۔

سمیر اور ردا اپنے دونوں بیٹوں ہاشم اور حسام کے ساتھ مین گیٹ سے اندر داخل ہو رہے تھے۔۔

وہ وہیں سیڑھوں پہ بیٹھ گئی۔

ٹانگوں نے چلنے سے انکار کر دیا تھا۔۔

وہ اسے ہی تو یاد کر رہی تھی شدت سے۔۔

اسے کب اندازہ تھا کہ وہ یوں دس سال بعد اچانک بنا بتایے واپس آ جائے گا۔۔۔

وہ لوگ اگے بڑھ گئے تھے۔

شاید انھوں نے دیکھا ہی نہیں۔

وہ ان سے ملنے جانا چاہتی تھی وہ خوش تھی پر وہ مدکر بھی نہیں پا رہی تھی۔

عرشی نے جانے کے لیے قدم آگے بڑھایا۔

اسے اچانک وہ شام یاد آئی جب سمیر اسکے گھر سے واپس چلا آیا تھا۔

وہ بارش وہ دکھ

اب سب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔۔

وہ وہیں واپس بیٹھ گئی۔

اسے اس پل شدت سے رونا آ رہا تھا۔

کیا کیا نہیں کھو دیا تھا اسنے۔

کاش کہ میں اس اجنبی سے بات نہ کرتی۔

کاش وقت واپس آ سکتا میں اپنا کوئی رشتہ نہ چھوڑتی کاش۔۔۔

وہ افسردگی سے گھٹنون پہ سر رکھ کر بیٹھی ایسی بہت سے باتیں سوچ رہی تھی۔

تماری یہاں بیٹھنے کی عادت گئی نہیں۔

عرشی نے سر نے سر اٹھا کر دیکھا۔

وہ سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

عرشی نے بھی اسے دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

بھئی بڑے لوگ تو ہم سے ملنے کمرے تک نہیں آئے۔

وہ اسکے برابر بیٹھ گیا ہمیشہ کی طرح

ایسی بات نہیں میں آ ہی رہی تھی۔

عرشی نے اپنی صفائی دی۔

چلو پہلے میں آ گیا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

ویسے شادی کے بعد کافی موٹی ہو گئی ہو۔

سمیر شرارت سے بولا۔

تم بھی کافی گروم ہو گئے ہو پہچانے ہی نہیں جا رہے

وہ ہنس دی۔

تم بھی کافی خوبصوت ہو گئی۔

سمیر نے حسب عادت اسکے کھلے بسلو کی لٹ کھینچی۔

وہ یوں ہی خاموش رہی۔

آج ڈانٹو گی نہیں

سمیر اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

عرشی نے سر نفی میں ہلایا

کیوں

سمیر اب بھی اسکے جھکے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

بہت مس کیا ہے میں نے ان سب باتوں کو

عرشی کی آواز بھرا گئی تھی۔

سنا ہے اب تم غصہ بھی نہیں کرتی۔

اب بھی عرشی کو دیکھ رہا تھا وہ اب بھی نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

کس پر کروں وہ روتے روتے ہنس دی۔

اچھا دیکھ لو مجھے مانا کہ بہت ہنڈسم ہو گیا ہوں تم دیکھ لو تمہاری نظر نہیں لگے گی۔

وہ مسلسل اسکے چہرہ جھکائے بیٹھے رہنے سے تنگ اکر شرارت سے بولا۔

اللی معاف کرے ایسی چیزوں کو نظر نہین لگتی

عرشی اسکی طرف دیکھ کر ہنسی۔

اچھا میں اب انسان سے چیز ہو گیا۔

وہ منہ بنا کر بولا۔

تم شروع سے ہی ایک عجیب مخلوق رہے ہو انسان کے زمرے میں تم کبھی آئے ہی نہیں۔

عرشی اب اسے دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

اچھا ٹھیک ہے بچوں ارے مجھے یاد آیا میں تم سے ناراض ہوں۔

سمیر کو بولتے بولتے اچانک یاد آیا اور وہ اس سے کہتے ہوئے منہ موڑ کر بیٹھ گیا۔

بچوں کی طرح روٹھنے کی عادت گئی نہیں تمہاری

عرشی نے ہنستے ہوئے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

وہ دونوں اس طرح بیٹھے تھے کے گیٹ کی جانب دونوں کی پشت تھی۔

بتاو کیوں ناراض ہو کیا کیا ہے میں نے

وہ اب سے اصرار کر رہی تھی۔

اسی پل گیٹ سے کوئی اندر داخل ہوا تھا

تم نے تو رابطہ ہی ختم کر لیا کیا ہوا ھو میں تمہیں لینے نہیں آ سکا تمہیں کارڈ تو بھیجا تھا نہ تم آ جاتی۔

مگر نہ تم نے میری شادی اٹینڈ کی اور نہ ہی بعد میں مبارکباد یا معذرت کا کوئی فون کیا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے گلا کر رہا تھا۔۔۔

عرشی کافی دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

اب بولو بھی کچھ سمیر نے اسے بازو سے پکڑ کر ہلایا۔

میرے شادی پر نہ آنے کی وجہ یہ نہیں کہ تم لاہور مجھے لینے کیوں نہین آئے۔

وہ چونکتے ہوئے بولی۔

سمیر سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

وہ اب چلتے ہوئے ان کے قریب آ گیا تھا۔

میرے شادی پہ نہ آنے کی وجہ تمہارا میرے گھر آنا اور دروازے سے واپس چلے جانا تھا۔

وہ اپنی نظریں اپنے ہاتھوں پہ مرکوز کئے بیٹھی تھی

سمیر کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔

کچھ باتیں سالوں بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتیں

پاس کھڑے شخص کا دل زمین میں گھڑ جانے کو کرنے لگا

وہ وہیں سے واپس پلٹ گیا۔

سمیر کی نظر اس پہ پڑی تھی وہ اسے دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اب اسکی پشت ان کی جانب تھی۔

عرشی نے سمیر کو کھڑے ہوتے دیکھ کر اسکی نظروں کے تعاقب میں دیکھا

اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

ارے رکئے سنئیے

سمیر اسے پکارتا ہوا اسکی جانب لپکا

عرشی خاموش کھڑی دیکھتی رہی۔

سمیر نے آگے بڑھتے ہوئے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

وہ رک گیا۔

داود بھائی آپ سمیر نے اسکا چہرہ دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ اسکے کندھے سے اٹھا لیا تھا۔

وہ یوں ہی خاموش کھڑا سمیر کو دیکھتا رہا۔

داود بھائی آپ واپس کیوں جا رہے تھے۔

سمیر نے اسکو اپنی طرف دیکھتے پا کر سوال کیا۔

داود نظریں جھکا گیا۔

آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔

سمیر نے اپنی اور عرشی کی کچھ دیر پہلے والی سچویشن یاد کرتے ہوئے فورا اپنی صفائی پیش کی۔

پلیز سمیر میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں تم دونوں سے اب مزید مت کرو۔

داود نے فورا جھکی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

سمیر یوں ہی خاموش کھڑا رہا۔

آپ اندر آیئے سمیر نے بنا کوئی اور بات کئے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

عرشی ان دونوں کے مابین ہونی والی گفتگو نہیں سن پائی تھی اس لیے انھیں وہیں چھوڑ کر ابا کے کمرے میں چلی گئی۔

وہاں اچھا خاصا رش لگا ہوا تھا عاشر جیا ردا چچا چچی سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

ہاشم حسام دانیال عنایہ زینیہ عماد سب بچے باہر کھیل رہے تھے۔

جیا کل ہی لاہور سے واپس آئی تھی بچوں کے اسکول اوپن ہو گئے تھے۔

عرشی نے عنایہ اور دانیال کی چھٹیاں انکی پرنسپل کو کال کر کے بڑھوا لیں تھیں

وہ ان سب پہ ایک نظر ڈال کر ابا کے قریب بیٹھ گئی۔

جب اسکے پیچھے ہی داود اور سمیر داخل ہوئے تھے۔

سب نے بڑے کھلے دل سے داود کا ویلکم کیا تھا۔

وہ بہت کم شادی کے بعد اس گھر میں آیا تھا۔

وہ سب اس سے حال احوال پوچھ رہے تھے۔

اتنے افراد میں داود کو عرشی سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد سب لوگ لاونج میں محفل جمائے بیٹھے تھے۔

عرشی کا موڈ کافی خراب تھا۔

چچا اپنے قصے سنا رہے تھے اور سب ہنس رہے تھے۔

داود بچوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

عرشی نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے نیچے کاوچ پہ بیٹھے سمر کو دیکھا۔

تم نے ابا کو سب بتا کر ٹھیک نہیں کیا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

میں نے ؟میں کب کیا ؟ بتایا ابا کو؟

وہ اسکی بات سن کر حیران ہوا۔

آج سے دس سال پہلے جو یہ شادی والا بکھیڑا کھڑا ہوا تھا۔

عرشی ڈرائے فروٹ کی پلیٹ اسکے سامنے کرتے ہوئے بولی۔

تمہاری قسم کھائی تھی آج تک نبھا رہا ہوں۔

ردا تک کو کچھ نہیں بتایا۔

بڑے ابا کو کس نے بتا دیا

وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے پریشانی سے بولا۔

اب پریشان ہونے کی باری عرشی کی تھی۔

اسنے جھکتے ہوئے پلیٹ سمیر کے سامنے رکھی۔

وہ اوپر صوفے پہ بیٹھی تھی اور وہ نیچے۔

یہ بات تو ہم دونوں کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ پھر ابا تک کیسے پہنچی وہ پریشانی سے سوچنے لگی۔

مما دودھ پینا ہے مجھے نیند آ رہی ہے۔

دانی داود کی گود سے اترتے ہوئے اسکے پاس آ کر بولا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی تھی چونک کر اسے دیکھا۔

مما نیند آئی ہے۔

وہ بچوں کے ساتھ کھیل کھیل کر تھک گیا تھا اور اب سونے کی ضد کرنے لگا تھا۔

وہ اس کے لیے دودھ لینے کچن میں گئی تھی۔

موقع اچھا تھا۔

داود بھی اسکے پیچھے ہو لیا۔

وہ دودھ گرم کر کے مڑے تو وہ داوزے میں کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ بنا اسے نوٹس کیئے آگئے بڑھ گئی۔

بات تو سنو۔

داود نے جاتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑا وہ رک گئی۔

مجھے معافی مانگنے کا موقع تو دو۔

وہ اسکے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

دانیال میرا انتظار کر رہا ہے آپکو پتہ ہے کہ وہ میرے بغیر نہیں سوتا۔

وہ اپنا ہاتھ چھوڑاتے ہوئے بولی اور آگے بڑھ گئی وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔۔۔۔

☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆ ▪ ☆

وہ دانیال کو سلا کر آئی تو سب لوگ ابھی تک بیٹھے تھے رات کے بارہ بج رہے تھے۔

ٹھنڈ اب بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ بھی اپنی شال اپنے گرد لپٹتے ہوئے ردا کے برابر بیٹھ گئی۔

وہ اور سمیر کسی بات پر بحث کر رہے تھے۔

وہ انکی بے تکی باتیں سن کر مسکرانے لگی۔

اسے خود پر مرکوز کسی کی نظروں کی تپش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ کون ہے پھر بھی وہ مسلسل اسے اگنور کر رہی تھی۔

میں تم سب سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔

شایان احمد کی آواز پر سبھی نے اپنی اپنی گفتگو روک کر انکی طرف دیکھا۔

وہ کافی سنجیدہ دیکھائی دے رہے تھے۔

میں آج تم سب کو وہ بات بتانے جا رہا ہوں جو تم سے شاید کسی کو پتہ نہ ہو۔

وہ اپنے ہاتھ آپس میں مسلتے بول رہے تھے۔

ي

یہ داستان ہے ایک باپ ایک بھائی کی خود غرضی کی۔

اضطراب انکے لہجے سے عیاں تھا۔

یہ قربانی ہے ایک بیٹی ایک دوست ایک انمول رشتے کی

عرشی بھی انھی کی طرف متوجہ تھی۔

انھوں نے دکھ سے عرشی کی طرف دیکھا۔

میں معافی کا مستحق نہیں پر اب یہ بوجھ مجھ سے نہیں اٹھایا جاتا۔

وہ غمگین لہجے میں بول رہے تھے۔

عرشی حیرت سے سیدھی ہو بیٹھی۔

شایان اب بول بھی چکو۔

سبحان احمد نے انکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

میں جس کا گنہگار ہوں اسی سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

وہ اٹھ کر عرشی کے پاس آ بیٹھے۔

عرشی کا تو پورا وجود سن ہو رہا تھا۔

یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

اگر میرا ضرف بڑا ہوتا تو تمہیں کوئی دکھ نہ اٹھانا پڑتا۔

وہ اسکے سر پہ ہاتھ رکھے بول رہے تھے۔

عرشی کو لگا وہ کسی ملبے تلے دبنے والی ہے۔

چچا اب بتا بھی دیں عاشر نے بے چینی سے کہا۔

سمیر حیرت سے گنگ یہ سوچ رہا تھا کہ ابا کو کیسے پتہ چلا۔

عرشی نے سمیر سے شادی سے انکار اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ داود کو پسند کرتی تھی۔

عرشی اس ملبے کے بوجھ تلے دبنے لگی تھی۔

اتنے سالوں بعد ان سب باتوں کا یوں کھلنا اسے پھر سے اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔

اسنے سمیر سے شادی سے انکار اس لیے کیا تھا کہ۔

وہ خاموش ہوئے۔

عرشی کا سانس رکنے لگا

داود احمد سمیت سبھی افراد دم سادھے بیٹھے تھے۔

کہ سمیر ردا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

سمیر کی گردن جھک گئی تھی۔

ردا نے حیرت سے ایک نظر سمیر اور دوسری عرشی پہ ڈالی۔

مجھے سمیر نے کہا تھا کہ وہ اس رشتے سے خوش نہیں پر مجھے کہاں پرواہ تھی۔

میرے بھائی کی بیٹی میری بہو بنے اور کیا چاہیئے تھا مجھے۔

میں یہ رشتہ توڑ کر اپنے بھائی کو ہمیشہ کے لیے کھونے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔

اور اس جذباتی لڑکی نے میرا قصور اپنے سر لے لیا۔

وہ عرشی کو دیکھ کر مسکرائے۔

سجان تو اس وقت پتھر کا مجسمہ معلوم ہو رہے تھے۔

سفید پڑتی رنگت آنکھوں میں بے یقنی لیے وہ اپنے جان سے پیارے بھائی کو دیکھ رہے تھے۔

جن کی وجہ سے وہ اپنے جگر کے ٹکڑے سے منہ موڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

یہ اور سمیر جس دن چھپ کے پلاننگ کر رہے تھے میں نے انکی باتیں اتفقیا سن لیں تھیں۔

پر اس سب میں آپکا کیا قصور۔عرشی سر جھکائے ہی ہمت کر کے بولی۔

اس سب میں میرا ہی تو قصور ہے۔

گناہ میرے بیٹے کا تھا سزا تمہیں ملی سر کش وہ تھا سر کشی کا الزام تم پہ آ گیا۔

وہ جذباتی ہوئے۔

یہ سب ایک طرف۔سب سے بڑا قصور وار تو میں ہوں جو سب جان کر بھی انجان بنا رہا۔

اگر میں چاہتا تو بھائی صاحب کو سب بتا دیتا۔۔

کم سے کم وہ تم سے قطع تعلق تو نہ کرتے۔

تمہیں تو یہ لگا تھا کہ وہ باپ کا دل ہے معاف کر دے گا پر وہ تو پتھر بن گئے تمہاری ایک خطا معاف نہ کر سکے۔

وہ خطا جس نے ایک خاندان کو ہمیشہ کے لیے بکھرنے سے بچا لیا۔

اگر وہ تمہیں معاف کر دیتے تو شاید یہ پچھتاوا اتنا زور آور نہ ہوتا۔

عرشی کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ رہا تھا۔

سب لوگ گویا پتھر کے ہو چکے تھے۔

شاہدہ بیگم نے نم آنکھوں سے اپنے شوہر کو دیکھا وہ نظریں جھکا گئے۔

یہ کیا کر دیا تھا انھوں نے۔

ایک بار ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچا ہوتا تو آج شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی۔

اور میں بھی اس بات پہ مطمئین ہو گیا کہ اب الزام میرے سر نہیں آیا۔

چپ چاپ اپنے بیٹے کی خوشی پوری کر دی

بھائی صاحب کی ضد اور انا سے میں اچھی طرح وقف تھا۔

اسی لئے ہمت ہی نہیں ہوئی۔

سوچا کچھ وقت بعد یہ عرشی کو معاف کر دیں گئے۔

پر بھائی صاحب آپکا دل تو پتھر کا ہی ہو گیا آپکو اپنی بچی کے آنسو نظر ہی نہیں آئے۔۔

اور میرا یہ قصور ہے کہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہیں اذیت میں رہنے دیا۔

شایان احمد اب گلوگیر آواز میں بولے۔۔

عرشی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے سر جھکائے بیٹھے سبحان احمد کو دیکھا۔

انھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے۔

عرشی تڑپ کر اٹھی اور انکے سینے سے لگتے ہوئے رو دی۔

میرے بچے مجھے معاف کر دو

وہ بھرائی آواز میں بولے۔

ابا آپ کیوں مجھ سے معافی مانگ کر مجھے گنہگار کر رہے ہیں۔

وہ ان کے سینے سے لگی بولی۔

شایان احمد صرف تمہاری خاطر دس سال میں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو معاف نہیں کیا۔

یہ سوچ کر کہ اگر میں نے عرشی کو معاف کر دیا تو تمہیں برا نہ لگے۔

اور میں اس بات پر خفا رہا کہ عرشی نے اتنا اچھا رشتہ ٹھکرا کر تمہیں مجھے ہم سب کو تکلیف دی ہے۔

وہ عرشی کو خود سے الگ کرتے ہوئے بولے۔

یہ جانے بغر کے اس نے ہمیں جدائی کے عذاب سے بچایا ہے

عرشی تم ایک بار اپنے بابا سے حقیقت بیان کرتی میں کبھی تم دونوں کے ساتھ زبردستی نہ کرتا۔

وہ اپنے کانپتے ہاتھوں سے عرشی کے آنسو صاف کر رہے تھے۔

ابا آپ تو مجھے سمجھنے کا دعوا کرتے تھے پھر کیسے آپ سمجھ نہیں پائے

نہ چاہتے ہوئے بھی عرشی کی زبان پر گلہ در آیا تھا۔

بھائی صاحب عرشی مجھے معاف کر دو۔

شایان صاحب اب نادم سے معافی مانگ رہے تھے۔

سبحان احمد نے عرشی کی طرف دیکھا۔

عرشی نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

مجھے فخر ہے اپنی بیٹی پر میری بیٹی نے آج پھر میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے

سبحان احمد مسکرائے

میری بیٹی کو رشتے نبھانے آتے ہیں۔

دوسروں کی خوشی پہ اپنی خوشی قربان کرنا آتی ہے۔

وہ عرشی کو پیار سے دیکھتے بول رہے تھے۔

کوئی اس پہ فخر کر رہا تھا تو کوئی اس سے شرمندہ تھا۔

داود مسلسل اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ہاں اسے رشتے بنانے اور نبھانے آتے تھے۔

اسے لوگوں کو آپنا گرویدہ بنانا آتا تھا۔

وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

اور پھر باری باری سب اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

وہ بھی اداس سی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔

وہ اداس سی سیڑھیوں پر بیٹھی پورے آب وتاب سے روشن چاند کو دیکھ رہی تھی۔۔

"یہ جو چاند کے پاس روشن ستارہ ہے۔

وہ تم ہو۔

یہ جو ایک روشن سی تصویر میری آنکھوں میں کہیں بستی ہے

کیا تم جانتی ہو وہ محبت کی ملکہ کون ہے۔۔۔؟

وہ تم ہو"

)شاعرہ :زریش مصطفی(

عرشی نے چونک کر اسے اسے دیکھا

داود اسکے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

وہ ایک نظر اس پر ڈال کر پھر سے بادلوں کے ساتھ اٹھکلیاں کرتے چاند کو دیکھنے لگی۔

بات کر سکتا ہوں میں آپ سے۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے اسکے برابر بیٹھا۔

وہ تھوڑا سا فاصلہ بناتے ہوئے آگے ہوگئی۔

داود اسکی اس حرکت کو نوٹ کرتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیا۔

اتنی بے زار ہو گئی ہو مجھ سے۔

وہ اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ خاموشی سے چاند کو تکتی رہی۔

مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

وہ اٹھتے ہوئے اسکے سامنے کھڑا ہو گیا۔

اسے سامنے سے نظر آنا بند ہو گیا تھا۔

وہ پھر بھی اسکی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

میں اپنے کیئے پہ بیت نادم ہوں اپنے کیے ہر فیل کی معافی مانگنا چاہتا ہوں۔

پر تم مجھے معاف مت کرنا

اگر تم نے مجھے معاف کر دیا تو میں سر اٹھا کر بھی تمہیں دیکھ نہیں پاوں گا۔
میں تم سے معافی مانگوں گا پر میری خواہش ہے تم مجھے میری ہر غلطی اور کوتاہی کی سزا دو۔

داود نے بات کرتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھا

اسکی دودھیا رنگت چاند کی مدھم روشنی میں اور بھی دمک رہی تھی۔

وہ اس پر سے نظر نہیں ہٹا پایا۔

عرشی نے اسکی نظروں کی تپش سے گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔

اس بار اسنے نظریں نہیں چرائیں تھیں۔

اس بار عرشی نے اپنی نظریں جھکا لیں تھیں۔

مجھے احساس ہو گیا ہے کہ وہ سراب تھا جس کے پیچھے میں بھاگ رہا تھا۔

وہ ایک ایسا وجود تھا جو کبھی ہمارے درمیان رہا ہی نہیں۔

وہ ایک دیوار تھی جو میں نے اپنے اور تمہارے درمیان خود کھڑی کر لی تھی۔

میں کتنا بے وقوف تھا تمہاری محبت کو کبھی سمجھ ہی نہیں پایا۔

میں تمہاری محبت کے قابل نہیں ہوں عرشی۔

وہ گھٹنوں کے بل اسکے سامنے بیٹھا تھا۔

عرشی ضبط کی آخری حد پہ کھڑی اپنے آنسو روکنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

میں تمہاری معافی کا تو کیا ایک نظر کا مستحق نہیں ہوں۔

میں نے اپنی دانست میں اپنی زندگی کے دس سال برباد کئے تھے۔

میں یہ بھول گیا تھا کہ تمہاری زندگی بھی تو مجھ سے جوڑی ہے۔

مگر اب میں اپنے دل میں کوئی بات نہیں رکھنا چاہتا کوئی ملال نہیں۔

داود نے اسکا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

عرشی میں وہ خود ساختہ اذیت کو چھوڑ آیا ہو میں اپنے درمیان کھڑی اس دیوار کو توڑ آیا ہوں۔

میں زندگی سے ایک موقع مانگتا ہوں وہ سب جو میں نے اپنے ہاتھوں سے تباہ کیا ہے اس پھر سے ٹھیک کرنا چاہتا ہوں۔

مجھے ایک موقع دے دو

عرشی کے آنسو خاموشی سے داود کے ہاتھ پر گرنے لگے تھے۔

داود نے چونک کر اسے دیکھا۔

اب ان آنسوؤں سے کہو کہ تمہاری ان خوبصورت آنکھوں سے دور رہیں۔

ان کا قدر دان آگیا ہے۔

اب ان آنکھوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اسکے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہا تھا۔

میں تمہیں فورس نہیں کروں گا آخری فیصلہ تمہارا ہو گا۔

پر میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

داود نے اسکا ہاتھ اپنے سینے پر دل کے پاس رکھا

عرشی نے نم آنکھوں سے اسکی طرف دیکھا۔

آج سے اس دل کی ہر دھڑکن تمہارے نام

وہ دلفریب مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجائے بولا۔

عرشی کے رونے میں اور شدت آ گئی تھی۔

جتنا رونا ہے رو لو آج کے بعد میں تمہیں کبھی رونے نہیں دوں گا۔

داود نے کہتے ہوئے اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا

اور خود گھٹنوں کے بل اسکا ہاتھ تھام کر بیٹھ گیا۔

عریشہ سبحان داود شیراز احمد نے محبت تم سے سیکھی ہے۔

داود شیراز احمد تم سے محبت کرنے لگا ہے۔

داود نے اپنی ہونٹوں سے اسکے ہاتھ کو چھوا۔

عرشی کا پورا وجود سن ہو چکا تھا۔

وہ لوٹ آیا تھا۔

عرشی کی قربانی ضایع نہیں ہوئی تھی۔

آج سے نہیں اس رات سے

جب تم مجھے سوتا سمجھ کر روتے ہوئے سو گئی تھی۔

اور ٹھنڈ سے ٹھٹھر رہی تھی۔

تمہیں کمبل اوڑھنے کے بعد میں ساری رات تمہارا آنسوں سے بھیگا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔

میں اپنے کئے پر نادم تھا پر میں نے اپنی غلطی کو غلطی سمجھ کر چھوڑا نہیں اور اس غلطی کو بارہا دوہرایا۔

اسکی محبت رائیگاں نہیں گئی تھی۔

وہ بول رہا تھا عرشی سے اپنے پیروں کھڑے رہنا مشکل ہو رہا تھا۔

اسکا دل بے قابو ہونے لگا

تم چاہوں تو ایسی ہی اذیت مجھے دے سکتی ہو۔

میری محبت کو دھتکار کے۔

وہ سنجیدگی سے اسکی طرف دیکھ کر بولا۔

دھند نے پورے منظر کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا تھا۔

عرشی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

چکرا کے گرنے کے قریب تھی جب داود نے اسے تھام لیا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر اسکی آنکھوں میں دیکھتی رہی تھی

وہاں کوئی فریب کوئی جھوٹ نہیں تھا۔

عہاں رنگ ہی رنگ تھے جابجا بکھرے محبت کے رنگ

جو صرف اسکے لیے تھے۔

وہ ان رنگوں کو بکھرنے نہیں دینا چاہتی تھی

وہ اس سے الگ ہوتے ہوئے واپس بیٹھ گئی۔

میں جھوٹے وعدے نہیں کرتا عرشی تم جانتی ہو مجھے

ایک بار بات تو کرو!

کچھ برا بھلا کہہ دو میری محبت کو ہی ٹھکرا دو

تمہارے شایان شان ہی کہاں ہے میری محبت

وہ اب سر جھکائے کسی مجرم کی طرح کھڑا تھا۔

عرشی کا دل پگھلنے لگا تھا۔

دل کی یہ ہی تو بات بری ہے جن سے محبت ہوتی ہے انکی برائی کو بھی ہم نظر انداز کر دیتے ہیں۔

تمہارا ایک ایک آنسو مجھ پہ قرض ہے۔

میں اس قرض کو اتار تو نہیں سکتا پر اذالہ کر سکتا ہوں۔

عرشی میری محبت میں کھوٹ نہیں ہے تم آزما کر تو دیکھو۔

یار کچھ کہو

تمہاری خاموشی مجھے اذیت دے رہی ہے۔

وہ دکھ سے کہتا اسکے برابر بیٹھ گیا۔

اتنے سالوں بعد اب اس محبت کا فائدہ

وہ آخر وہ اٹھی تھی۔

ایسے مت کہو عرشی

وہ تڑپ اٹھا۔

میں سوچتی ہوں داود احمد کہ مجھے تم سے محبت کیسے ہو گئی۔

وہ اب اسکی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

کیونکہ محبت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے وہ ہی انسان کے دل میں ڈالتا ہے جسے میرے۔

اور میں یہ سوچ کر انکار کرتا رہا کہ میں کیوں ہار مان لوں۔اپنی ضد اور انا کی جنگ میں پستا رہا

اور تم اسکی زد میں آ گئی۔

اب بھی ایک عمر پڑی ہے ہمارے سامنے وہ لجاجت سے بولا۔

کاش میں آپکی محبت کو ٹھکرا سکتی

عرشی نے دکھ سے داود کو دیکھا۔

داود کو اسکے جملے سے امید بندھی تھی۔

عرشی ایک موقع اور دے دو زندگی کو خوشیاں ہماری منتظر کھڑی ہیں۔

داود نے کہتے ہوئے اسے اپنی بانہوں میں لیا تھا۔

وہ اس حصار کو توڑنا چاہتی تھی پر اب کی بار یہ حصار بہت مضبوط تھا۔

عرشی نے ہار مانتے ہوئے اسکے کندھے سے سر ٹکا لیا۔

تم نے مجھے معاف تو کر دیا نہ داود نے اپنے لب اسکے ماتھے پہ رکھتے ہوئے کہا۔

وہ اتنی آسانی سے کیسے جانے دیتی

عرشی نے سر نفی میں ہلایا۔

تو پھر وہ اسی طرح بیٹھے حیرانی سے بولا۔

مجھے نہ تو کسی کا دل توڑنا آتا ہے اور نہ ہی رشتے۔

وہ آہستگی سے بولی۔

چلو کوئی بات نہیں تم نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا یہ ہی بہت بڑی بات ہے۔

وہ مسکرایا۔

آپ ماہ گل سے کبھی ملے تھے۔

وہ اسکے کندھے سے سر اٹھاتے ہوئے بولی۔

اسکا یہاں اب کیا ذکر

داود بدمزہ ہوا

اس بات کو نوٹس کئے بغیر کہ وہ نام کیسے جانتی ہے۔

آج کے بعد سے وہ ہم میں کبھی نہیں آئے گی۔

داود اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ تو اب ہمیشہ رہے گی ہمارے درمیان

وہ اب داود کو دیکھ رہی تھی

کیا مطلب داود نے نا سمجھی کے عالم میں اسے دیکھا۔

اس کا پتہ چل گیا ہے وہ کہاں رہتی ہے۔

عرشی بہت سنجیدگی سے بات کر رہی تھی

اسکا پتہ تمہیں کیسے چلا تم نے میری ڈائیری پڑھی داود نے حیرت سے اسکی طرف دیکھا۔

عرشی نے سر اثبات میں ہلایا۔

تم بس بھول جاو میرے پاگل پن کو چھوڑ دو اسے عریشہ میں صرف تمہارا ہوں وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔

پر میں آپکو ماہ گل سے ایک بار ملوانا چاہتی ہوں۔

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ آپ کے ساتھ زندگی گذارنے کے لیے تیار ہے۔

عرشی مجھے دس زندگیاں بھی ملیں تو میرا انتخاب تم ہو گی۔

مجھے نہیں ملنا کسی سے عرشی داود اب سچ مچ پریشان تھا۔

اب اس موڑ پہ زندگی کیا کرنے والی تھی اس کے ساتھ۔

میسج ٹیون نے عرشی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

وہ نمبر وہی تھا جو کچھ دنوں سے پریشان کر رہا تھا۔

وہ اس نمبر سے اپنی اور داود کی آنے والی ریسنٹ پکس کو دیکھ کر مسکرا دی۔

سمیر کے بچے۔

عرشی نے اسے ریپلائی کیا تھا۔

بس کر دو اور کتنی کلاس لو گی بےچارے کی لوٹ کے بدھو گھر کو آ گئے ہیں

عرشی زندگی کی خوشیاں تمہاری منتظر ہیں دیر مت کرو۔

وہ اس کا میسج پڑھ کے مسکرا دی۔

یہ کیا پہلیاں بجھوا رہی ہو تم صاف صاف بتاو

داود اب حقیقی معنوں میں پریشان تھا

آپ کو ماہ گل کے بارے میں بتانے والی ہوں کہ کیوں اسنے آپ کیوں چھوڑا اور اسکا نکاح کس سے ہوا۔

مجھے کچھ نہیں جاننا بس اس ٹاپک کو یہیں ختم کرو۔

وہ بضد تھا۔

چلیں اتنا ہی پوچھ لیں اسکی شادی کس سے ہوئی۔

وہ بھی اسے بتا کے ٹلنے والی تھی۔

مجھے کیا میں کونسا جانتا ہوں اسے

داود منہ بنا کر بولا۔

اپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں اسے عرشی نے اسکی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

داود اب سہی معنوں میں پریشان ہوا۔

کون داود کو اپنی آواز کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔

داود شیراز احمد۔

عرشی نے سنجیدگی سے کہا۔

اور جانے کے لیے مڑی۔

عرشی یہ مذاق نہیں ہے

داود نے اسکا ہاتھ پکڑا

عرشی مڑ کر کافی دیر اسے دیکھتی رہی تھی۔

اسنے داود احمد کا دس سالہ پرانہ نمبر دہرایا۔

وہ چونکا یہ تو دس سال پہلے ہوا کرتا تھا تمہیں ابھی تک یاد ہے۔

عرشی نے ایک اور نمبر دہرایا

داود احمد کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

ماہ گل اسنے زیر لب دہرایا۔

داود نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا تھا۔

عرشی کو ماہ گل۔کا نمبر کیسے یاد اور اگر نمبر عرشی کو پتہ ہے تو مطلب اس سے آگے وہ کچھ سوچ ہی نہیں پایا۔

عرشی اسے دیکھتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

انسان بھی کتنا عجیب ہے نہ جس چیز کی ضد اللہ سے لگا کہ بیٹھا ہوتا ہے۔

اسکے مل جانے پہ اسکی قدر نہیں کرتا۔

بے شک اللہ بڑا رحیم اور کریم ہے اسے عطا کرنا آتا ہے۔

یہ تو انسان ہی ناکس لعقل ہے۔

وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا سوچ رہا تھا۔

اور پھر اٹھ کے عرشی کے پیچھا چلا گیا

زندگی کہ کس مقام پر آکر یہ حقیقت کھلی تھی۔

عرشی نے پلر کے پیچھے چھپے سمیر کو پکڑا تھا۔

شرم نہیں آتی چھپ چھپ کے ایسی حرکتیں کرتے۔

عرشی نے اسے گھورا۔

لو جی ایک تو اتنے سہانے مومنٹ کیچر کئے اور تم ہو کہ

اسنے کہاں شرمندہ ہونا تھا ڈھٹائی سے ہنسا

تم یہاں کیا کر رہے تھے ویسے۔

وہ اب اس سے پوچھ رہی تھی۔

تمہیں بلانے آیا تھا۔

کیا کام تھا مجھ سے

داود بھائی آپ بھی آئیں۔

سمیر نے عرشی کے پیچھے آتے داود کو پکارا

وہ ان دونوں کے ہمراہ لاونج تک آئی تھی پورا لاونج تاریکی میں ڈوبا تھا۔

اس کے آنے پر ردا نے لائٹ آن کی تھی۔

اور پھر ہیپی برتھ ڈے عرشی کا شور اٹھا۔

عرشی نے کیک کاٹا تھا

اب خوشیاں تھیں محبتیں تھیں اور راستے آسان تھے۔

زندگی میں مشکلات آتیں ہیں پر ہر مشکل کے بعد آسانی ہے سب کے چہروں پہ سکون اور مسکراہٹ تھی۔

میرا انتخاب عریشہ ہے سمجھی۔

داود نے اسکے کان کے قریب سرگوشی۔

وہ مسکرا دی۔

بہت جلد ہم ہنی مون پر جائیں گے۔

وہ اسکے اور قریب ہو کر بولا۔

بچوں کے بعد

وہ جھینپ گئی۔

تو اور کیا اپنی لائف کے سارے مسنگ پارٹس مل کے جوڑیں گے۔

وہ محبت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

سمیر نے کیک اسکے گال پہ لگا دیا تھا۔

تم کس منہ سے اپنے بچوں کو تمیز سکھاو گے۔

وہ مصنوئی خفگی سے اسکی طرف دیکھ کر بولی۔

وہ ڈھیٹ بن کے مسکرا دیا۔

سب کا قہقہہ گونجا تھا۔

محبتیں اپنا رنگ بکھیر رہیں تھیں۔

اختتام